Atlantis
Publications
وسرا جیرال
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

دوسرا جیرال

اشتیاق احمد

السلام علیکم!

دوسرے جیرال سے ملیے...... جی ہاں...... دوسرے جیرال سے مل کر آپ کو بہت خوشی ہو گی...... جیرال کا منصوبہ کے بعد جیرال کی مقبولیت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا...... قارئین کا اصرار تھا کہ جیرال ہی پر ناول لکھتا چلا جاؤں...... آخر جیرال پر کام شروع ہوا اور دوسرا جیرال تیار ہوا۔ یوں تو اس کا نام جیرال تھا اور اب فاروق احمد صاحب اپنے ہاں اسے شائع کرنے لگے تو نام دوسرا جیرال کر دیا۔ گویا نام رکھنے میں بھی مجھ سے دو ہاتھ آگے نکل گئے...... اللہ کا شکر ہے صرف دو ہاتھ آگے نکلے...... اگر کہیں تین ہاتھ آگے نکل جاتے تو اس ناول کا نام انہیں تیسرا جیرال رکھنا پڑتا اور آپ کہہ اٹھتے کہ یہ کیا...... یہ تیسرا جیرال کہاں سے ٹپک پڑا...... دوسرے کی حد تک تو چلو ایک بات بھی ہے اور ٹھیک بھی ہے۔

اس طرح آپ تیسرا جیرال سے بال بال بچے...... اس میں شک نہیں یہ صاحب نام رکھنے میں اپنا نام پیدا کرتے جا رہے ہیں اور میرے کان کاٹتے جا رہے ہیں حقیقت یہی ہے کہ میں کچھ اونچا سننے لگا ہوں...... اگر حال یہی رہا تو آپ خود سوچیے...... بات کہاں سے کہاں جا پہنچے گی...... اللہ وہ وقت نہ لائے آمین۔

ایک مشکل یہ ہے کہ فاروق صاحب چاہتے ہیں میں پرانے ناولوں کی نئی دو باتیں ذرا لمبی لکھا کروں...... یہ ایک نیا کام ہے...... پرانے ناولوں کی پرانی دو باتیں کیا کم تھیں کہ اب نئی دو باتیں لکھنا پڑ رہی ہیں...... ہے نا اُلجھن کا کام...... ایسی اُلجھنوں سے دو چار ہونا اب اپنا روز کا کام ہو چلا ہے...... اس لئے کسی سے کیا گلا...... اچھا اللہ حافظ!

بے ہوش آدمی

پومی کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں — پورے آسمان پر صرف ایک ستارہ، وہ بھی آگ کی طرح روشن — ایسا نظارہ اس نے زندگی بھر نہیں دیکھا تھا —

اُس رات زبردست ابر تھا — آسمان گھرے سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا — ایسے میں چاند اور ستارے بھلا کہاں نظر آتے — دُور دُور تک تلاش کے باوجود اسے کوئی ستارہ نظر نہیں آ سکا تھا، لیکن پھر اچانک صرف اور صرف ایک ستارہ چمکا، آگ کا شعلہ سا لگا — وہ حیران رہ گئی — اس کی نظریں اس پر جم گئیں — پھر گھبرا کر اس نے جلدی سے ایک نظر اِدھر اُدھر آسمان پر ڈالی، لیکن نہ چاند نظر آیا نہ دُوسرے ستارے — بس پورے آسمان پر وہی ایک ستارہ تھا —

لیکن اس قدر سُرخ ستارہ — آگ جیسا ستارہ، اُس نے

آج تک نہیں دیکھا تھا ، ابھی وہ حیرت کے سمندر میں ڈبکیاں
کھا رہی تھی کہ اچانک ایک اور حیرت کا غوطہ اسے سمندر
کی تہ کی طرف لے گیا۔ ستارہ بلا کی رفتار سے نیچے آ
رہا تھا :

" ارے ! یہ — یہ تو نیچے آ رہا ہے — شاید ٹوٹ گیا
ہے — ہاں ستارے ٹوٹتے بھی تو رہتے ہیں ، لیکن یہ اس
قدر سُرخ کیوں ہے — کیا اس ستارے کو آگ لگ گئی ہے"
بہت انوکھا خیال تھا — ستارے کو آگ ۔ وہ مسکرا دی ،
اسے ستاروں میں بہت دلچسپی تھی — ہر روز رات کو چھت
پر چڑھ کر بہت دیر تک ستاروں کو دیکھنا اس کا مشغلہ
تھا — اور اس کے ڈیڈی ممی اس کے اس شوق کے ہاتھوں
بہت تنگ تھے — بہت بھنّایا کرتے تھے ، لیکن وہ بھی
اس شوق کے ہاتھوں مجبور تھی —

اچانک اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ خوف بھی
شامل ہو گیا — خوف اس لیے کہ ستارہ جوں جوں نیچے
آ رہا تھا ، اس کا حجم بڑھتا جا رہا تھا اور اب وہ
ستارہ کم اور آگ کا ایک بڑا سا تھال زیادہ لگ رہا تھا :
" آخر یہ کیا چیز ہے ؟ " وہ بڑبڑائی ، پھر چونک کر خود
سے بولی :

" اوہو — میں کیوں نہ ڈیڈ کو بلا لاؤں — مم — مگر نہیں :
اس دوران اگر یہ زمین پر آ رہا تو مجھے پتا نہیں چل
سکے گا کہ کہاں گرا ہے — میں یہیں ٹھہروں گی "۔
آگ کا تھال بڑا ہوتا گیا — اور بڑا ہوتا گیا —
یہاں تک کہ اسے یوں لگا جیسے نیچے آنے تک وہ کئی کوٹھیوں
کو اپنی پلیٹ میں لے لے گا — اب وہ گھبرا گئی —
تھال مسلسل نیچے آ رہا تھا — اور اب یہ بات یقینی نظر آ
رہی تھی کہ وہ زمین پر ضرور گرے گا —
" اور اگر یہ زمین پر گرا تو کئی کوٹھیوں میں آگ لگ جائے
گی — اب تو اس میں آگ کے شعلے تک نظر آ رہے ہیں "۔
اس نے اپنے آپ سے کہا ۔
" پھر — میں کیا کروں — میں کیا کر سکتی ہوں — اب تو ڈیڈ
کو جگانا ہی ہو گا "۔
ابھی اس نے یہ سوچا ہی تھا کہ تھال زمین پر آ گرا اور
اپنی اونچی چھت کی وجہ سے اس نے صاف دیکھا کہ وہ بہت
دور — دور بہت دور کھیتوں میں گرا تھا اور کھیت جلنے
لگے تھے — اب وہ اور نہ ٹھہر سکی — نیچے کی طرف دوڑی
اور ڈیڈ کے کمرے میں جا کر دم لیا — ڈیڈ گہری نیند میں
تھا — ممی بھی نیند کے مزے لے رہی تھی — اس نے

ڈیڈ کو جھنجوڑ ڈالا :

"ڈیڈ اُٹھیے ـــ غضب ہوگیا۔"

"کک ـــ کیا ہوگیا؟" ڈیڈ نے نیند کے عالم میں کہا۔

"غضب"

"غضب ـــ رات کے وقت کیسے ہوگیا ـــ سو جاؤ ـــ تنگ نہ کرو پومی ـــ"

"اوہو ڈیڈ ـــ آپ بات بھی تو سُنیے۔"

"اچھا سناؤ ـــ لیکن ذرا جلدی ـــ مجھے نیند نے ستایا ہوا ہے ـــ پچھلی رات صدر کے ساتھ میٹنگ تھی ـــ سو نہیں سکا تھا۔"

"یس ڈیڈ! میں جانتی ہوں، لیکن آپ یہ بات نہیں جانتے آسمان سے کوئی چیز گری ہے ـــ آگ کے ایک بہت بڑے تھال کی طرح اور اس کے گرتے ہی کھیتوں کو آگ لگ گئی ہے۔"

"بس اتنی سی بات ـــ ہزار بار کہا ہے ـــ ستاروں کو نہ تکا کرو ـــ یہ بھی کوئی شوق ہے ـــ ارے بھئی ـــ وہ کوئی شہابِ ثاقب ہوگا ـــ جاؤ سو جاؤ۔"

"اوہو ڈیڈ ـــ آپ سُنیے بھی تو سہی ـــ پورے آسمان پر گہرا ابر ہے ـــ نہ چاند ہے، نہ ستارے ـــ ایسے میں ایک بالکل سرخ ستارہ میں نے نیچے گرتے دیکھا ـــ جوں جوں وہ

نیچے آتا گیا ـــ بڑا ہوتا گیا اور نیچے گرتے وقت وہ بہت بڑا ہو چکا تھا اور اس کو آگ لگ گئی تھی۔"

"کہہ تو دیا ـــ شہابِ ثاقب ہوگا۔"

"شہابِ ثاقب اس قدر گول نہیں ہو سکتا ـــ بالکل تراشا ہوا گول تھال ـــ آپ اوپر چل کر ایک نظر دیکھ تو لیں ـــ پلیز ڈیڈ۔"

"اچھا بابا ـــ تم نہیں مانو گی ـــ لیکن ٹھہرو ـــ ہمیں اوپر جانے کی ضرورت نہیں ـــ میں رسدگاہ والوں سے پوچھتا ہوں ـــ انھوں نے بھی تو اس کو دیکھا ہوگا۔"

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" پومی نے خوش ہو کر کہا۔

اس کا ڈیڈ انشارجہ کا وزیرِ خارجہ تھا ـــ اس نے فوراً ایک بٹن دبایا اور بولا :

"رسدگاہ سے ملاؤ۔"

چند سیکنڈ بعد رسدگاہ کے انچارج کی آواز سنائی دی :

"یس سر ـــ کیا حکم ہے؟"

"سنا ہے، آسمان سے کوئی شہابِ ثاقب گرا ہے؟"

"نہیں سر ـــ وہ شہابِ ثاقب نہیں ہے ـــ ہمارے آدمی اس طرف جا چکے ہیں ـــ ایک گھنٹے تک ہم کچھ بتا سکیں گے۔"

"اوہو اچھا ـــ خیر ـــ جونہی اس کے بارے میں معلوم ہو،

مجھے اطلاع دینا۔"

"یس سر۔"

اب وہ پومی کی طرف مڑا:

"ایک گھنٹے بعد معلوم ہو جائے گا۔۔۔ کہ وہ کیا چیز ہے۔۔۔ اب تم سو جاؤ۔"

"نہیں ڈیڈ۔۔۔ میں اس طرف جاؤں گی۔۔۔ جس طرف وہ گرا ہے۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔"

"ہاں ڈیڈ۔۔۔ میں ایسی چیزوں کے لیے پاگل ہو جاتی ہوں، یہ آپ بھی جانتے ہیں۔۔۔ آپ گاڑی نکالیے اور مجھے اس طرف لے چلیے۔"

"لیکن ہم راستا کیسے طے کریں گے۔۔۔ کھیتوں تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔۔۔ اس طرف رسدگاہ والے تو ہیلی کاپٹر پر گئے ہوں گے۔"

"تو آپ کے لیے ہیلی کاپٹر کیا مشکل ہے۔۔۔ آپ بھی ہیلی کاپٹر منگوا لیں۔"

"لیکن بھئی اس کی ضرورت کیا ہے؟ سوال تو یہ ہے۔"

"ضرورت ہے ڈیڈ۔۔۔ آپ نے سُن لیا۔۔۔ وہ شہابِ ثاقب نہیں ہے۔"

"تو پتا چل جائے گا۔۔۔ کہ وہ کیا چیز ہے۔"

"نہیں ڈیڈ۔۔۔ ہم بھی ہیلی کاپٹر پر جائیں گے۔"

"اچھا بابا۔۔۔ تم نہیں مانو گی۔" ڈیڈ نے جھلا کر کہا۔

اور پھر اس نے ہیلی کاپٹر کے لیے فون کیا۔۔۔ جلد ہی دونوں اس طرف اُڑے جا رہے تھے۔۔۔ جہاں وہ تھال گرا تھا۔۔۔ چند منٹ بعد وہ وہاں اُترے۔۔۔ رسدگاہ والوں کا ہیلی کاپٹر بھی وہاں موجود تھا۔۔۔ وزیرِ خارجہ کو دیکھ کر وہ ان کی طرف لپک پڑے:

"سر! آپ کو آنے کی کیا ضرورت تھی"۔ ایک نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ میری پاگل بچی۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"آپ لوگ اب تک کیا معلوم کر سکے؟" پومی بولی۔

"آگ بہت شدید ہے۔۔۔ فی الحال ہم نزدیک جانے کے قابل نہیں ہیں۔۔۔ فائر بریگیڈ والے بس آنے والے ہیں۔"

"آپ کے خیال میں یہ کیا ہے؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔۔۔ شاید یہ کوئی اُڑن طشتری ہے۔"

"کیا۔۔۔ اُڑن طشتری۔" وزیرِ خارجہ اور پومی ایک ساتھ چلائے۔

"یس سر۔۔۔ آثار یہی کہہ رہے ہیں۔۔۔ ویسے ابھی یقین سے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔"

"خیر — دیکھتے ہیں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

اور پھر وہاں فائر بریگیڈ پہنچ گیا — انھوں نے نہایت تیزی سے کام شروع کر دیا — آدھ گھنٹے بعد آگ بجھ گئی — وہ آگے بڑھے — پومی سب سے آگے تھی —

"انھیں روکیے سر — آگے خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"پومی — سب سے آگے نہ جاؤ۔"

"کچھ نہیں ہوگا ڈیڈ۔"

ڈیڈ منہ بنا کر رہ گیا — سب لوگ آگے بڑھتے چلے گئے، نزدیک پہنچ کر انھوں نے دیکھا — وہ واقعی اڑن طشتری جیسی کوئی چیز تھی — لیکن جل چکی تھی — البتہ اس کا دروازہ بند تھا —

"اس کا دروازہ کھلوائیے۔" پومی پُرجوش انداز میں بولی۔

"ہاں! یہ تو خیر اب کرنا ہوگا۔"

انھوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش شروع کی — اس کام میں پندرہ منٹ لگ گئے — اس دوران پومی کا مارے بے چینی کے بُرا حال تھا — پھر جونہی دروازہ کھلا — اس نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی — اسے بڑی مشکل سے روکا گیا — اور رسدگاہ کے دو آدمی اندر داخل ہو گئے — اچانک ان دونوں کی چیخ سنائی دی:

"کیا بات ہے — خیر تو ہے؟"

"اندر ایک انسان موجود ہے — بے ہوش انسان۔"

"اوہ — تو پھر اسے جلدی سے باہر نکال لو۔" پومی نے چلّا کر کہا۔

اب ان سب کی حیرت بہت بڑھ چکی تھی — پومی کا تو مارے حیرت کے بہت بُرا حال تھا:

"اب — اب کیا ہوگا؟" پومی چلّائی۔

"کچھ نہیں ہوگا — آرام سے کھڑی رہو۔" ڈیڈ نے اسے ڈانٹا اور وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

بے ہوش آدمی کو باہر نکالا گیا — اس کے چہرے پر ہیلمٹ کی قسم کی ٹوپی تھی، اس لیے چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا — اس ٹوپی کو اتارا گیا — وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا — اس کے جسم پر شاید فائر پروف لباس تھا اور اڑن طشتری اندر سے فائر پروف تھی — ورنہ آگ کا اثر اندر بھی آتا اور وہ جل جاتا، لیکن اس کے جسم اور کپڑوں پر جلنے کا کوئی نشان نہیں تھا —

"یہ — یہ تو بالکل ہم جیسا لگتا ہے — جیسے انشارجہ کا ہی باشندہ ہو۔" وزیرِ خارجہ نے کہا۔

"یس مسٹر کاٹن — ایسا ہی لگتا ہے، لیکن ہمارے

ملک میں اس قسم کی اڑن طشتریاں کہاں ملتی ہیں بھلا۔"

"یہ تو اب ہوش میں آنے پر بتائے گا۔ میرا خیال ہے۔ اسے ہسپتال پہنچا دینا چاہیے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور پھر اسے ہسپتال لے جایا گیا۔ خاص نگرانی والے وارڈ میں اسے رکھا گیا۔ فوری طور پر کئی محکموں کو اطلاعات دی گئیں۔ ان میں محکمہ سراغرسانی کو بھی فون کیا گیا، تاکہ وہ اپنی تحقیقات شروع کر دے۔ ادھر ڈاکٹر اسے ہوش میں لانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔

پومی کا برا حال تھا۔ وہ چاہتی تھی۔ بے ہوش آدمی جلد از جلد ہوش میں آ جائے، لیکن ڈاکٹروں کی پوری ٹیم ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

"ڈیڈ! آخر یہ کب ہوش میں آئے گا؟" پومی نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"مجھے کیا پتا؟" اس نے جل کر کہا۔

اسی وقت محکمہ سراغرسانی کا عملہ وہاں پہنچ گیا۔ اس ٹیم نے فوری طور پر بے ہوش آدمی کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ انھیں اندر لایا گیا۔ پومی اور کاٹن اندر ہی موجود تھے۔

ٹیم کی نظریں بے ہوش آدمی پر جم گئیں۔ پھر وہ سب کے سب بری طرح اچھلے۔

ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

چلی بائی

"کیا بات ہے۔ خیر تو ہے۔ آپ لوگ اسے دیکھ کر اس قدر زور سے کیوں چونکے؟" کاٹن نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ ۔ یہ ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ان میں سے ایک نے بد حواسی کے عالم میں کہا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ۔ زندہ کیسے ہو سکتے ہیں۔" ایک نے کہا۔

"کون زندہ کیسے ہو سکتے ہیں۔" کاٹن نے منہ بنایا۔

"یہ ۔ جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں ۔ مدت ہوئی، یہ مر چکے ہیں۔"

"یہ آپ کیا کہ رہے ہیں ۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

"جیرال کی۔"

"کیا کہا ۔ جیرال کی ۔ یہ ۔ یہ ۔ یہ مسٹر جیرال ہیں۔"

"بالکل ۔ سو فی صد جیرال۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے...... مسٹر جیرال تو واقعی مر چکے ہیں، اس بات کی مکمل طور پر تصدیق ہو چکی ہے۔" کاٹن نے کہا۔

"جی ہاں! تب پھر ہو سکتا ہے...... یہ ان کا کوئی ہم شکل ہو......"

"ہم شکل...... اس اُڑن طشتری میں...... آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں...... ہم مسٹر جیرال کی فائل لے کر آتے ہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" کاٹن نے پر جوش انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد جیرال کی مکمل فائل وہاں موجود تھی، اس میں جیرال کی ان گنت تصاویر بھی تھیں...... ان تمام تصاویر کو اور بے ہوش آدمی کو پورے غور سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا گیا...... جیرال کی تصاویر میں اور بے ہوش آدمی میں ایک ذرہ برابر بھی فرق نہیں تھا...... انتہا یہ تھی کہ بے ہوش آدمی کے بائیں کان سے نیچے ایک سیاہ تل دیکھا گیا...... جیرال کی تصاویر میں بھی وہ تل بائیں کان کے نیچے موجود تھا۔

"اب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں...... یہ مسٹر جیرال ہیں...... ان کے ہم شکل نہیں ہیں۔" محکمہ سُراغرسانی کے ایک ماہر نے کہا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے...... مسٹر جیرال پاک لینڈ کے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے،

اس بات کی تصدیق پوری طرح کر لی گئی تھی اور اس میں ایک
فی صد بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"لیکن ہم اس شخص کو کیا کریں — یہ بھی تو بتائیں۔"

"اس کا حل صرف یہ ہے کہ اسے ہوش میں لایا جائے۔
یہ خود بتائے گا کہ یہ کون ہے اور اس اڑن طشتری میں یہ کہاں
سے آ رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے — اب پورا زور اسے ہوش میں لانے کے لیے
لگانا ہوگا۔"

ڈاکٹر اور بھی زور شور سے حرکت میں آ گئے — آخر تین گھنٹے
کی سرتوڑ کوشش کے بعد اس شخص نے آنکھیں کھول دیں:

"ارے! آپ ہوش میں آ گئے — یہ کس قدر خوشی کی بات
ہے — آپ کون ہیں، اپنے بارے میں کچھ بتائیں گے؟"

"پوں چاشی۔" اس کے ہونٹ ہلے۔

"پوں چاشی — یہ آپ نے اپنا نام بتایا؟" کاٹن بولا۔

"شے ماگاشی۔" وہ پھر بولا۔

"اوہ — آپ کی زبان اور ہے — یہ تو مشکل پیدا ہوگئی۔"
کاٹن نے کہا۔

"تب پھر — یہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے۔" پوی
نے چلا کر کہا۔

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

یہ خیال اب تک ان کے ذہنوں میں نہیں آیا تھا — پوی
کے جملے نے انھیں ہلا کر رکھ دیا۔

"ہاں واقعی — اس بات کا امکان ہے۔"

"ہاں — لیکن — بالکل جبرال کی شکل کا انسان دوسرے
کسی سیارے پر۔" کاٹن نے کہا۔

"یہ بات نا ممکن نہیں سر۔" ایک آفیسر نے کہا۔

"اُف — یہ کیا ہو رہا ہے — کیا کسی دوسرے سیارے
کی مخلوق ان اڑن طشتریوں کے ذریعے ہم پر حملہ آور ہونے
والی ہے۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا — فی الحال زبان کا مسئلہ حل کرنا
ہوگا۔" کاٹن نے کہا۔

"اوہ ہاں!"

زبان کے ماہرین وہاں بلائے گئے — ان کی ڈیوٹی لگائی
گئی کہ وہ جلد از جلد اس شخص کو انگریزی بولنے اور سمجھنے
کے قابل بنائیں — انھوں نے ایک ہفتے کی مہلت مانگی۔
جو انھیں دے دی گئی — کاٹن کی ہدایات کے مطابق اس
معاملے کو بالکل خفیہ رکھا گیا —

ایک ہفتے بعد اس شخص کو کاٹن کے سامنے پیش کیا گیا:

"اب اس کی کیا پوزیشن ہے؟"

"اس قابل ہو گئے ہیں کہ ہماری بات سمجھ سکیں اور اپنی سمجھا سکیں — ویسے یہ بہت ذہین ہیں — ورنہ ایک ہفتے میں اس قدر زبان سیکھ جانا قریب قریب ناممکن ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے — اب ہم ان سے بات چیت کرتے ہیں، باقی ماہرین اور دوسرے بڑے آفیسرز بھی اس کارروائی میں حصہ لیں گے، لہٰذا ان حضرت کو ایوان صدر لے جایا جائے۔" کاشن نے حکم دیا۔

ایک گھنٹے بعد تمام ذمے دار لوگ ایوان صدر میں موجود تھے — مہمان ان کے درمیان میں موجود تھا — سب کی نظریں اس پر جمی تھیں —

"آپ اپنے بارے میں کیا بتانا پسند کریں گے؟"

"میں — آپ کے اس سیارے کا انسان نہیں ہوں، ایک دوسرے سیارے سے آیا ہوں — اس سیارے پر آبادی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے، لہٰذا میری حکومت نے میرے ذمے یہ کام لگایا کہ میں اپنے سیارے سے باہر نکل کر دوسرے سیاروں کا پتا چلانے کی کوشش کروں — تاکہ ہم اپنے سیارے کی آبادی کو کسی اور سیارے پر منتقل کر سکیں، لیکن میری اڑن طشتری میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی —

اس نے آگ پکڑ لی اور میں یہاں آپ کے ہاں آ گرا۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"آپ اپنے سیارے کو کیا کہتے ہیں؟"

"چلی بائی۔"

"بہت خوب! آپ چلی بائی سے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب — کیا یہ نام آپ کو معلوم ہے؟"

"نہیں — لیکن شاید ہم چلی بائی کو کسی اور نام سے پکارتے ہوں گے — خیر اس بات کو چھوڑیں — اب آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"افسوس! اب میں اپنے سیارے پر واپس نہیں جا سکتا، اس کے لیے صرف اور صرف وہ اڑن طشتری میرے کام آ سکتی تھی۔"

"تب آپ یہاں ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔"

"میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں؟"

"ہم آپ کو ایک حیرت انگیز چیز دکھانا چاہتے ہیں، تاکہ ہم آپ کو بتا سکیں کہ آپ ہمارے لیے کیا ہیں؟"

"کیا مطلب — میں سمجھا نہیں۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم ابھی اپنا مطلب واضح کرتے ہیں۔"

اور پھر اس کے سامنے جیرال کی فائل رکھ دی گئی —

جونہی اس میں موجود تصاویر پر اس کی نظر پڑی — وہ زور سے اچھلا:

"یہ میری تصاویر آپ نے کب اتاریں؟"

"یہ آپ کی تصاویر نہیں ہیں۔" کاٹن نے کہا۔

"تب پھر — یہ کس کی تصاویر ہیں؟"

"ہمارے ملک — بلکہ اس پوری دنیا کے ایک بہت بڑے آدمی کی تصاویر ہیں یہ — اس کا نام جیرال تھا۔"

"کیا کہا — جیرال تھا — کیا یہ صاحب اب زندہ نہیں ہیں؟"

"ہاں! یہی بات ہے — ہم آپ کو جیرال کی کہانی سنائیں گے — بلکہ جیرال کی زندگی کی فلمیں آپ کو دکھائیں گے۔ پھر آپ کو ساری بات سمجھ میں آئے گی — ہم دراصل آپ کو اپنے لیے جیرال بنانا چاہتے ہیں۔"

"لیکن کس لیے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ بات بھی پوری طرح آپ کو معلوم ہو جائے گی آیئے آپ کو سٹوڈیو میں لے چلیں — وہاں آپ پہلے فلمیں دیکھ لیں۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے — کئی روز تک جیرال کی فلمیں اسے دکھائی گئیں — وہ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا رہا — بار بار کہہ اٹھتا:

"یہ — یہ تو بالکل میں ہوں — مجھ میں اور ان میں تو

بال برابر بھی فرق نہیں — یہ تو لڑتے بھی بالکل میری طرح ہیں — آپ کو دراصل معلوم نہیں — میں اپنے ملک کی انٹیلی جنس کا چیف ہوں — اور اپنے ملک کا سب سے بہترین نشانے باز، لڑاکا — اور لڑائی کی ہر قسم کا ماہر ترین انسان — لیکن میں دیکھ رہا ہوں — جیرال بھی بالکل میری طرح ہی تھا — حیرت ہے — حیرت ہے۔"

"ابھی ہم آپ کو اور بہت کچھ دکھانا چاہتے ہیں — اب ایک اور فلم دیکھیے۔"

اس بار اسے جو فلم دکھائی گئی — وہ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کی فلم تھی — اور اس میں جیرال کو ان سے ٹکراتے دکھایا گیا تھا — یہ فلمیں اس جیرال کو دکھانے کے لیے — ان تینوں پارٹیوں سے پوری طرح روشناس کرانے کے لیے بنائی گئی تھیں — انسپکٹر جمشید پارٹی، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کو دیکھ کر اس کا جسم تن گیا — اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹ پڑیں اور وہ تڑ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا — وہ سب کے سب بوکھلا اٹھے — ڈاکٹروں کی ٹیم اس کی طرف دوڑ پڑی — ایک گھنٹے بعد وہ ہوش میں آ سکا:

"آپ کو کیا ہوا تھا؟" کاٹن نے پریشان آواز میں پوچھا۔

"میں ان لوگوں کو دیکھ کر بے ہوش ہو گیا تھا — میرے
سیارے پر بالکل ایسے ہی لوگ موجود ہیں۔"
"کیا !!!" وہ سب کے سب چلّا اُٹھے۔
"ہاں : لیکن افسوس — میں آپ کو اس بات کا کوئی ثبوت
نہیں دے سکتا — اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ساتھ یہ
کچھ ہو گا تو میں بھی آپ لوگوں کے لیے فلمیں لے آتا۔"
اس نے پریشان ہو کر کہا۔
"خیر کوئی بات نہیں، آپ پریشان نہ ہوں — ہمیں آپ
کی بات پر سو فی صد یقین ہے — اگر اس سیارے پر
آپ ہو سکتے ہیں تو وہ لوگ کیوں نہیں ہو سکتے — آپ یہ
بتائیں — کیا وہاں آپ کا ان لوگوں سے مقابلہ ہوتا رہا ہے"
"نہیں — ایسی کوئی نوبت نہیں آئی — لیکن ایسا نظر آ
رہا تھا کہ میرا ان سے کوئی بہت زبردست مقابلہ ہو گا۔"
"تب پھر یہ مقابلہ اب اس زمین پر ہو گا۔" کاشن بولا۔
"کک — کیا مطلب ؟"
"ہم آپ کو بتائیں گے پوری تفصیلات — ہر بات — آپ
فکر نہ کریں — جب تمام تر باتیں آئینے کی طرح آپ کے
ذہن میں صاف ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو مہم پر
بھیجا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے — اب جب کہ مجھے یہاں رہنا ہو گا — تو میں
آپ لوگوں کے لیے کام کروں گا۔"
"کیا آپ کے سیارے پر بھی اسلام اور دوسرے مذہبوں
کا کوئی چکر ہے ؟" کاشن نے سرسری انداز میں پوچھا۔
"اور نہیں تو کیا — یہی تو سب سے بڑا رونا ہے — یہ
مسلمان لوگ کسی کو آرام سے جینے نہیں دیتے — ان سے تمام
دوسرے مذہب والوں کو دھڑکا لگا رہتا ہے۔"
"اوہ ! تب تو اور آسانی سے سمجھ جائیں گے آپ مسٹر جیرال۔"
"یہ کیا — آپ نے میرا نام بھی جیرال رکھ دیا ؟"
"ہاں ! اور ہم کیا کر سکتے ہیں — آپ کا نام صرف اور
صرف جیرال ہو سکتا ہے۔"
"خیر — مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"
"اب آئے گا مزا — قدرت نے ہمیں ایک بار پھر جیرال
دے دیا ہے۔"
"اور جب مسٹر جیرال انسپکٹر جمشید وغیرہ کے سامنے جائیں گے
تو ان کا کیا حال ہو گا — ذرا سوچیں۔" پومی پُرجوش انداز میں بولی۔
"لیکن میری ایک شرط ہے۔" ایسے میں جیرال کی آواز گونجی۔
"شرط — وہ کیا ؟"
"پومی اس مہم میں میرے ساتھ رہیں گی۔"

"کیا !!!" پومی اچھل پڑی ۔۔۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے مسٹر جیرال ۔۔۔ یہ بچی ہے ۔۔۔ ایسی مہمات کے قابل نہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں ۔۔۔ انھیں لڑنا بھڑنا نہیں پڑے گا۔"

"لیکن آپ اسے کیوں ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔"

"بس ۔۔۔ یہ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں ۔۔۔ اور دیکھا جائے تو مجھے گرتے ہوئے سب سے پہلے انھوں نے ہی دیکھا تھا۔"

"ڈیڈ ! میں مسٹر جیرال کے ساتھ رہوں گی۔"

"پومی ۔۔۔ یہ ۔۔۔ یہ بہت مشکل ہے۔" کاٹن نے گھبرا کر کہا۔

"یہ مشکل نہیں ۔۔۔ بہت آسان ہے ۔۔۔ کیوں پومی؟" جیرال ہنسا۔

"بالکل ٹھیک۔" پومی نے تالی بجا دی۔

"خیر ۔۔۔ جیسے تمھاری مرضی ۔۔۔ ویسے میرا دل نہیں چاہتا تمھیں بھیجنے کے لیے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

"لیکن مہم کیا ہے؟ سوال یہ ہے۔"

"اس کی تفصیلات تو ہم اب آپ کو بتائیں گے ۔۔۔ آئیے ۔۔۔ خفیہ کمرے میں چلیں ۔۔۔ وہاں صرف ہم تین ہوں گے۔" کاٹن نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک الگ کمرے میں بیٹھے تھے ۔۔۔

ر کاٹن جیرال کو ساری بات سمجھا رہا تھا ۔۔۔

اس کے بعد تقریباً ایک ماہ تک جیرال کو تمام تر معلومات ا کی گئیں ۔۔۔ تب کہیں جاکر وہ مہم پر جانے کے لیے ار ہو سکا ۔۔۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ اور پومی میک اپ میں ایک رٹے سے گھر سے نکل رہے تھے ۔۔۔ ایک ٹیکسی کے ذریعے ایرپورٹ پر پہنچے ۔۔۔ انھیں انشادجہ سے پاک لینڈ کے از پر سوار ہونا تھا ۔۔۔

ان کی مہم کا آغاز ہو چکا تھا ۔۔۔ جیرال کو پاک لینڈ کے دارالحکومت سڑکوں تک کا نقشہ ذہن نشین کرا دیا گیا تھا ۔۔۔

گیارہ گھنٹوں کے سفر کے بعد اعلان کیا گیا :

"ہم پاک لینڈ کے دارالحکومت اتر رہے ہیں۔"

خطرہ بے بُو

"میری آنکھوں میں آج صبح سے خطرے کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔" فاروق نے پریشان آواز میں کہا۔

"کیوں — تمہارے کانوں کو کیا ہو گیا ہے؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ آج کل چھٹی پر ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اور وہ چھٹی پر کب نہیں ہوتے؟" محمود ہنسا۔

"جب خطرے کی گھنٹیاں دن میں بجتی ہیں۔" فاروق نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یار دماغ نہ چاٹو — ہمیں تو دور دور تک کوئی خطرے کی گھنٹی سنائی نہیں دے رہی، کیوں فرزانہ؟" محمود اس کی طرف مڑا۔

"ٹھہرو! پہلے میں سننے کی کوشش کر لوں۔" یہ کہہ کر فرزانہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

"اس کا مطلب ہے، جب تک تم اپنی آنکھیں بند نہیں کرتیں، اس وقت تک تمہارے کان کام نہیں کرتے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کان نہ کھاؤ۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"تمہارے کان ہیں کس کھیت کی مولی — تین میں نہ تیرہ میں۔" فاروق چلا اُٹھا۔

"ہائیں — یہ تو وہی بات ہوئی — اونٹ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا — کیا الٹ پلٹ بولے چلے جا رہے ہو — یا آج تمہارے دماغ میں تمام محاورے اور ضرب الامثال آپس میں کھچڑی تو نہیں پک گئی۔" فرزانہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں — کیوں — کیا ہوا؟" محمود گھبرا گیا۔

"تم نے کہا ہے — اونٹ نہ جانے آنگن ٹیڑھا — بھلا آنگن ٹیڑھے کا اونٹ سے کیا تعلق؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"پتا نہیں — بھئی اب تعلق کون تلاش کرے — ہم کوئی ان کے ملازم ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اوہو — یاد آ گیا۔" فاروق چونکا۔

"کیا یاد آ گیا؟"

"یہ کہ محاورہ ہے — ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔"

"اوہ ہاں — حد ہو گئی — میں بھی ناچ سے اونٹ پر
گیا — وہی بات ہو گئی — اونٹ رے اونٹ تیری کون
کل سیدھی۔"

"میرا خیال ہے — آج ہم کرید کرید کر محاورے نکال
رہے ہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا کرید کرید کر؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"دماغ اور کیا — اور ہمارے پاس کریدنے کے لیے
رکھا ہی کیا ہے۔" فاروق بولا۔

"ارے ہائیں — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فرزانہ کے لہجے میں
بلا کی حیرت تھی۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے محمود نے کہا تھا — میرے کان آج
چھٹی پر ہیں — پھر محمود تم سن کیسے رہے ہو؟"

"اوہ ارے ہائیں — یہ تو میں بھول ہی گیا۔"

"کیا بھول گئے؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہ میرے کان آج چھٹی پر ہیں۔"

"حد ہو گئی — بھئی تم بھول گئے — لیکن کان تو بھول جانے
کے باوجود چھٹی پر ہیں — پھر آخر تم کیسے سن رہے ہو؟" فاروق

نے جھلا کر کہا۔

"پتا نہیں یار — اب میں کیا بتاؤں — بس کچھ نہ پوچھو —
یوں سمجھ لو میں کچھ بتانے کے قابل نہیں — یا پھر یہ خیال
کر لو کہ تم کچھ سننے کے قابل نہیں رہے — اور یہ کہ ہم
اس وقت بالکل — اونگی بونگی باتیں کر رہے ہیں — کچھ تو کام
کی بات کر لیں۔" محمود رکے بغیر کہتا چلا گیا۔

"حد ہو گئی — آج تو تم فاروق کے بھی کان کاٹ گئے۔"

"ن — نہیں تو۔" فاروق نے گھبرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا —
پھر کان اپنی جگہ پا کر بولا:

"خدا کا شکر ہے — یہ کٹے نہیں۔"

"ارے ہاں — وہ فاروق کی آنکھوں میں خطرے کی
گھنٹیاں بج رہی تھیں۔"

"بجنے دو — ہمارا کیا جاتا ہے — کانوں میں بجتیں تو ایک بات
بھی تھی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"بھئی تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے — ہوتے ہوں گے، ہمیں کیا۔"

"اوہو — عقل کو ہاتھ مارو، بات کو سمجھنے کی کوشش کرو،
انگارے نہ چباؤ — اگر فاروق کی آنکھیں بج رہی ہیں تو اس
کو تصویر کا دوسرا رخ خیال کر لو۔" فرزانہ نے تلملاتے ہوئے

انداز میں کہا۔

"اوہ! تو تم یہ کہنا چاہتی ہو۔"

"تو اور تمہارا کیا خیال تھا — میں تمہیں الجبرے کے سوال سمجھا رہی تھی۔" فرزانہ نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ تو خیر تم سمجھا بھی نہیں سکتیں — الجبرا ہی تو وہ مضمون ہے — جس سے تم گھبراتی ہو۔"

"یہ غلط ہے — میں الجبرے سے نہیں گھبراتی — ہاں الجبرا ضرور مجھ سے گھبراتا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں کہتا ہوں — ہوشیار ہو جاؤ — خبردار ہو جاؤ — اب میری آنکھیں اور زیادہ گھنٹیاں — بلکہ اب تو خطرے کے گھنٹے سن رہی ہیں۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے — گھنٹیوں کی جگہ گھنٹوں نے لے لی۔" فرزانہ گھبرا گئی۔

"ابھی کیا ہے — آگے آگے دیکھنا گھنٹوں کی جگہ گھڑیال لیں گے اور گھڑیالوں کی جگہ..." محمود کہتے کہتے رک گیا، اس نے گھبرا کر فرزانہ کی طرف دیکھا اور پھر بولا:

"وہ — گھڑیالوں سے بڑی چیز کیا ہوتی ہے؟"

"بس بس — گھڑیال سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو — ورنہ میری آنکھوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔"

"وہ اس لیے کہ کانوں کے پردے پہلے ہی پھٹ چکے ہیں۔"

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی:

"وہ — وہ — آ گیا خطرہ۔" فاروق گھبرا گیا۔

"ہائیں — یہ گھنٹی خطرے نے بجائی ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بالکل — اس گھنٹی سے بچو۔"

"گھنٹی سے یا خطرے سے؟" محمود فوراً بولا۔

"اوہو — دونوں سے کیوں نہیں بچ جاتے۔"

"لیکن دروازہ تو کھولنا ہوگا۔" محمود بولا۔

"فاروق کو وہم ہوا ہے — آخر میرے بھی کان ہیں — آنکھیں ہیں، ناک ہے — میں نے اب تک خطرے کی بو کیوں محسوس نہیں کی — لہٰذا جاؤ اور دروازہ کھول دو۔"

"ہو سکتا ہے — یہ خطرہ بے بو ہو۔" فاروق مسکرایا۔

محمود نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور دروازے کی طرف بڑھا:

"کون؟"

"یہ میں ہوں۔" ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔

"میں کون؟"

"ایک لڑکی — ساتھ میں میرے انکل ہیں۔"

"تو یوں کہیے نا ۔۔۔ ایک انکل آئے ہیں ۔۔۔ جن کے ساتھ ایک لڑکی ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔" لڑکی بولی۔

"آپ کے انکل گونگے ہیں کیا؟"

"نہیں برخوردار ۔۔۔ میں بول سکتا ہوں۔"

محمود کو ایک جھٹکا لگا ۔۔۔ وہ فوراً مڑا، فاروق اور فرزانہ کے پاس آیا اور دبی آواز میں بولا:

"باہر جو شخص موجود ہے ۔۔۔ اس کی آواز سن کر مجھے ایک زبردست جھٹکا لگا ہے۔"

"کک ۔۔۔ کیا اس کی آواز میں کرنٹ تھا؟" فاروق گھبرا گیا۔

"نہیں یار ۔۔۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔"

"تو تم بھی تو سمجھانے کی کوشش کیا کرو ۔۔۔ آخر تمہیں جھٹکا کیوں لگا؟" وہ جھلا اٹھا۔

"یہی تو مصیبت ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب ۔۔۔ کیا مصیبت ہے ۔۔۔ کیسی مصیبت ہے ۔۔۔ کہاں ہے مصیبت؟"

"بات یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں جانتا ۔۔۔ جھٹکا کیوں لگا ہے۔"

"تو جھٹکے سے پوچھ لیتے۔" فرزانہ جل گئی۔

"مشورے کا شکریہ ۔۔۔ دروازے پر چلو اور تم بھی اس کی آواز سنو، میں دیکھنا چاہتا ہوں، تم دونوں کو جھٹکا لگتا ہے یا نہیں۔"

"اچھی بات ہے ۔۔۔ ابھی تجربہ ہو جاتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

اب وہ دونوں بھی دروازے پر آئے ۔۔۔ اسی وقت دستک ایک بار پھر ہوئی:

"آپ پہلے اپنا تعارف کرائیں، پھر دروازہ کھلے گا۔" محمود نے خود کو پرسکون رکھتے ہوئے کہا۔

"اوکے ۔۔۔ سنو برخوردار ۔۔۔ میں جو بال ہوں۔"

فرزانہ اور فاروق کو زبردست جھٹکا لگا، گرتے گرتے بچے، پھر دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

"یہ ۔۔۔ یہ ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ہم نہیں جانتے، یہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن یہ ہو رہا ہے۔"

"آخر دروازہ کب کھلے گا ۔۔۔ اب تو میں اپنا نام بھی بتا چکا ہوں۔"

"یہی تو مشکل ہے۔" محمود بولا۔

"کیا مشکل ہے ۔۔۔ ہمیں تو یہاں دور دور تک کوئی مشکل نظر نہیں آتی۔"

"یہ آپ کی نظروں اور کانوں کا قصور ہے، بلکہ ناکوں

کا بھی"۔ فاروق نے منہ بنایا۔
"کیا کہنا چاہتے ہو بھائی"؟ باہر سے تنگ آکر کہا گیا۔
"یا تو آپ اپنی اصلی آواز میں بات کریں، یا پھر دروازہ کھولنے کے لیے نہ کہیں اور چلتے پھرتے نظر آئیں"۔
"چلتے پھرتے نظر کیسے آسکتے ہیں ۔۔۔ جب کہ دروازہ بند ہے"؟ باہر سے ہنس کر کہا گیا۔
"ہم چھت پر جا کر دیکھ لیں گے"۔
"اچھا تو پھر میں خود دروازہ کھول رہا ہوں ۔۔۔ کیونکہ اب آتے ہیں تو ملے بغیر تو جائیں گے نہیں"۔ باہر سے کہا گیا۔
"اور دروازہ آپ کیسے کھولیں گے"؟
"یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے"۔
"اچھا ٹھہریں ۔۔۔ دروازہ تڑوا کر بھی کیا فائدہ ہو گا"۔
یہ کہہ کر محمود نے دروازہ کھول دیا ۔۔۔ باہر کھڑے مرد اور لڑکی پر نظریں ڈالتے ہی وہ حیرت زدہ رہ گئے:
"آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے"؟ محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"کیا کیسے ہو سکتا ہے"؟
"یہ کہ آپ کی آواز تو بالکل ہمارے ایک انکل جیسی ہے ۔۔۔ لیکن شکل ۔۔۔ اوہ"۔ محمود کہتے کہتے رک گیا ۔۔۔ اس

کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔
"اب کیا ہوا؟ کہتے کہتے رک کیوں گئے برخوردار"۔
"آپ کی آواز ہی میک اپ میں نہیں ہے ۔۔۔ جب کہ آپ خود میک اپ میں ہیں"۔ محمود مسکرایا۔
"اوہ! تو تم نے یہ بات بھی محسوس کر لی"۔
"جی ہاں بالکل ۔۔۔ اس لیے کہ ہم باتوں کو بہت جلد محسوس کر لینے کے ماہر ہیں ۔۔۔ اور باتیں بے چاری ہمارے آگے پانی بھرتی ہیں"۔
"ضرور پانی بھرتی ہوں گی ۔۔۔ مجھے سو فی صد یقین ہے"۔ وہ مسکرایا۔
"یوں بات نہیں بنے گی انکل ۔۔۔ آپ پہلے میک اپ اتار دیں"۔
"بھئی اندر چل کر بیٹھا تو دو ۔۔۔ پھر میک اپ بھی اتار دوں گا ۔۔۔ ویسے تمہارے والد نظر نہیں آ رہے ۔۔۔ ارے ہاں ۔۔۔ پانچ بجنے میں کچھ منٹ باقی ہیں"۔
"تو آپ یہ بھی جانتے ہیں"۔
"یہ پوچھو ۔۔۔ میں کیا نہیں جانتا"۔
"چلیے پھر بتا دیں، آپ کیا نہیں جانتے"؟
"میں ۔۔۔ بس ۔۔۔ یہی تو مشکل ہے"۔ وہ بولا۔
"کیا مشکل ہے ۔۔۔ اب ہمیں دور دور تک کوئی مشکل نظر نہیں آ رہی"۔

"یہ کہ کوئی ایسی بات نہیں ہے — جو میں تم لوگوں کے بارے میں نہ جانتا ہوں۔"

"اوہ! تو بات یہاں تک پہنچی ہوئی ہے۔" محمود بولا۔

"ان باتوں میں بس یہی تو بُری بات ہے کہ یہ بہت دُور تک پہنچ جاتی ہیں — اور ان کو واپس لانا پڑتا ہے۔"

"خیر ہو گا — اب آپ فوراً ہماری اُلجھن دُور کر دیں۔"

"بھئی — کیا بیٹھنے کو نہیں کہو گے — آخر میں تمہارا پُرانا انکل ہوں۔"

"آپ اس وقت ہمیں الہ دین کے وہ چچا نظر آ رہے ہیں جو جادوگر تھا۔"

"ہاں شاید — کچھ ایسا ہی معاملہ ہے — خیر تم نہیں کہتے تو میں خود اندر جا کر صحن میں بیٹھ جاتا ہوں — مجھے اُمید ہے تمہاری امی مجھے ناشتا بھی کرائیں گی۔"

"آپ کا مطلب ہے — شام کا ناشتا۔"

"میں اس چکر میں کبھی نہیں پڑتا۔"

"آئیے — آپ کو ناشتا بھی ملے گا اور رات کا کھانا بھی۔"

"خیر اتنی دیر رُکنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

"یہ آپ کے ساتھ جو لڑکی صاحبہ ہیں — گونگی ہیں کیا؟"

"نہیں تو — پہلے تو یہی بولی تھیں۔"

"اور میں اب بھی بول سکتی ہوں — لیکن میں آپ لوگوں کی حیرت انگیز گفتگو سُن رہی ہوں۔"

"اس میں حیرت انگیزی کہاں سے آ گئی؟"

"پپ — پتا نہیں — لیکن مجھے یہ ساری بات چیت حیرت انگیز ہی لگ رہی ہے۔"

"اچھا خیر — اب بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

جونہی وہ صحن میں آ کر بیٹھے، ان کی والدہ نے باورچی خانے سے کہا:

"فرش پر کوئی کیچڑ بھرا پاؤں کا نشان تو نظر نہیں آ رہا؟"

وہ اپنی امی کی بات سُن کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے، کیونکہ وہ اس دوران باورچی خانے میں رہی تھیں اور صحن کی طرف کھلنے والی باورچی خانے کی کھڑکی بدستور بند رہی تھی — باورچی خانے کا دروازہ بھی بند تھا — لہٰذا وہ صحن کی طرف دیکھ نہیں سکتی تھیں تو پھر انہیں صحن میں کیچڑ بھرے پیر کے نشان کا خیال کس طرح آ گیا تھا — حیرت زدہ ہو کر انھوں نے صحن کے فرش کی طرف دیکھا، تو وہاں کیچڑ بھرا ایک نشان موجود تھا — اب تو ان کی حیرت اور بڑھ گئی:

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے امی جان۔"

"بہت خوب: تب پھر میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔"

"اور آپ، کا اندازہ کیا ہے امّی جان؟" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"یہ کہ، ہمارے گھر میں اس وقت...."

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تھی:

"انسپکٹر جمشید آگئے۔" جوبال نے فوراً کہا۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔ اور ہمیں اس پر حیرت ہے۔" محمود نے کہا اور فوراً دروازے کی طرف چلا گیا۔ جونہی اس نے دروازہ کھولا۔ انسپکٹر جمشید نے السلام علیکم کہا اور ساتھ ہی بولے:

"یہ۔ یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

اس کا نام

ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔ خود جوبال اور اس کے ساتھ موجود لڑکی کے چہروں پر بھی حیرت ہی حیرت نظر آئی:

"یہی بات ہم نے کہی تھی ابا جان۔" محمود مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ۔ یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور صحن میں آگئے، چند لمحے تک وہ آنے والے دونوں افراد کو باری باری دیکھتے رہے، آخر بولے:

"آپ میک اَپ میں ہیں۔ اور میک اَپ کے نیچے جیرال کا چہرہ میں صاف دیکھ سکتا ہوں، لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیا نہیں ہو سکتا؟" جیرال مسکرایا۔

"یہ کہ آپ جیرال ہوں۔ اس کا مطلب ہے۔ آپ میک اَپ در میک اَپ میں ہیں۔" وہ بولے۔

"اب اس میک اپ کا کوئی فائدہ نہیں رہا — لیجیے — میں میک اپ اتار دیتا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی جیرال نے میک اپ اتار دیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگے — انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا —

"اوپر والے میک اپ سے پہلے ہم یہ خیال کر رہے تھے کہ آپ دوہرے میک اپ میں ہیں، لیکن اب ہمیں آپ کے چہرے پر میک اپ نظر نہیں آ رہا، لیکن اس کے باوجود آپ ہیں میک اپ میں — اس لیے کہ جیرال ہمارے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔"

"اگر آپ میرے چہرے پر میک اپ ثابت کر دیں تو میں آپ کو اپنا استاد مان لوں گا — آپ بے شک ماہرین کو بلا لیں — دنیا کے بڑے سے بڑے ماہر کو بلا لیں۔"

"ہاں! یہ تو اب کرنا ہوگا — اس لیے کہ ہم شدید الجھن کا شکار ہو گئے ہیں — مسلمان انسان کے اس دنیا میں دوبارہ آنے کو نہیں مانتا — یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے — کوئی اور مذہب بھی اس بات کو نہیں مانتا — ایک امکان یہ ہے کہ آپ جیرال کے ہم شکل ہیں، لیکن اس حد تک شکلوں کا ایک ہونا بھی ذہن میں نہیں آتا —

لہٰذا ہم پہلے چیک کرائیں گے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھ گئے:

"ضرور چیک کرا لیں — ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" جیرال مسکرایا۔

"ارے ہاں! اس لڑکی کے چہرے سے تو ہم نے میک اپ اتارا ہی نہیں — فرزانہ — یہ کام تم کر ڈالو۔"

"جی، بہت بہتر!"

"نہیں — ایسا نہ کریں۔" جیرال نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب — ہم کیا نہ کریں؟" وہ حیران رہ گئے۔

"اس لڑکی کے چہرے سے میک اپ نہ اتاریں۔"

"لیکن کیوں؟"

"بس! میں اس بات کو پسند نہیں کروں گا۔"

"اوہ! میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید فون کرنا بھول گئے اور ان کی طرف مڑے —

"کیا سمجھ گئے آپ؟" جیرال نے چونک کر کہا۔

"یہ کہ اس صورت میں ہم سازش کے رخ کو سمجھ جائیں گے۔"

"شاید یہی بات ہے۔"

"تب پھر ہم اس لڑکی کا میک اپ ضرور اتاریں گے۔"

"اس صورت میں جیرال آپ لوگوں کے راستے کی دیوار

بن جائے گا۔" جیرال سرد آواز میں بولا۔

"دیواریں گرانا ہم جانتے ہیں۔"

"میں جیرال ہوں۔" جیرال نے کھنکھناتی آواز منہ سے نکالی۔

"ہوں گے ۔۔۔ ہم جیرال کو ابھی ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔"

"تب پھر میں کس طرح آپ لوگوں کے سامنے موجود ہوں"

"اس کا جواب ہم اپنی تفتیش کے بعد دیں گے۔" محمود بولا۔

ادھر انسپکٹر جمشید کسی کو فون کر رہے تھے ۔۔۔ وہ سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے ۔۔۔ آخر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور بولے :

"ماہرین جلد یہاں آ جائیں گے ۔۔۔ اس سے پہلے مسٹر جیرال آپ ہمیں اس بچی کا میک اپ اتارنے دیں۔"

"ہرگز نہیں ۔۔۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

عین اس لمحے بیگم جمشید نے باورچی خانے کی کھڑکی کھول ڈالی ۔۔۔ انھوں نے دیکھا ۔۔۔ صحن میں ایک جانا پہچانا آدمی بیٹھا تھا ۔۔۔

وہ بہت لمبا چوڑا تھا ۔۔۔ خوف ناک شکل صورت والا ۔۔۔ آنکھیں اگرچہ چھوٹی تھیں، مگر ان میں بلا کی چمک تھی ۔۔۔ ہونٹ بھدے، سیاہ اور موٹے تھے ۔۔۔ سر کے بال گہرے سیاہ

اور بہت گھنے تھے ۔۔۔ ہاتھوں کی پشت اور بازوؤں پر بھی بال ہی بال تھے ۔۔۔ غرض پہلی نظر میں تو وہ خوف ناک لگتا ہی تھا ۔۔۔ بغور دیکھنے پر بھی جسم میں سنسنی کی لہر پیدا ہوتی تھی:

"اُف خدا ۔۔۔ یہ تو بالکل مسٹر جیرال ہیں۔"

"نہیں بیگم! یہ جیرال نہیں، اس لیے کہ اسے ہم نے اپنے ہاتھوں سے ختم کیا تھا۔"

"تب پھر یہ میک اپ میں ہے۔"

"یہ ہم ابھی چیک کریں گے۔" یہ کہ کر انسپکٹر جمشید اچانک اس تک پہنچ گئے ۔۔۔ یہ دیکھ کر جیرال ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا ۔۔۔

"نہیں ۔۔۔ آپ اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے، ورنہ جو جنگ کافی دیر سے شروع ہونے کی امید ہے ۔۔۔ وہ ابھی شروع ہو جائے گی۔"

"کیا مطلب ۔۔۔ کیا ہمارے درمیان جنگ بھی ہو گی؟"

"ہاں بالکل ۔۔۔ اور میں آیا کس لیے ہوں۔"

"ہم اس جنگ کا خوش دلی سے سامنا کریں گے، لیکن ہمیں اس لڑکی کا اصل چہرہ دیکھ لینے دیں۔"

"نہیں ۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ویسے اس کے لیے میں ایک شرط پیش کیے دیتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے جیرال بھرپور

انداز میں مسکرایا۔

"اور وہ کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ کہ ـــ میں اپنا پنجہ پیش کرتا ہوں ـــ آپ بھی اپنا پنجہ نکال لیں ـــ دونوں زور آزمائی کر لیتے ہیں ـــ اگر میں جیت گیا تو آپ بچی کا میک اپ اتارنے کا خیال دل سے نکال دیں گے ـــ ورنہ میں آپ کو نہیں روکوں گا ـــ اس طرح ہم لڑائی بھڑائی سے اپنے آپ کو بچالیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ـــ مجھے یہ بات بہت پسند آئی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

دونوں نے انگلیاں پھنسائیں اور اپنی اپنی طرف زور لگانے لگے ـــ دونوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا، لیکن کوئی بھی دوسرے کا ہاتھ نہ جھکا سکا ـــ یہاں تک کہ دونوں کے جسم پسینہ پسینہ ہو گئے ـــ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، آخر جیرال نے کہا:

"کیا خیال ہے ـــ یہ مقابلہ برابر نہ چھوڑ دیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر یہ مقابلہ برابر رہا۔"

دونوں نے ہاتھ الگ کر لیے ـــ

"اب یہ فیصلہ کیسے ہو کہ اس لڑکی کے چہرے سے میک

اپ اترے گا یا نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"فیصلہ ہو نہیں سکا ـــ لہٰذا صورتِ حال جوں کی توں ہے، یعنی میں میک اپ اتارنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"فی الحال میں بھی جھگڑا نہیں چاہتا ـــ کیونکہ نہ جانے آپ کون ہیں اور کیا منصوبہ لے کر آئے ہیں ـــ پہلے ہم آپ دونوں کے بارے میں اپنا اطمینان کریں گے، پھر کوئی فیصلہ کریں گے ـــ یوں میں چاہوں تو اپنی عقل کے زور سے بھی اس لڑکی کا نام جان سکتا ہوں۔"

"میرے خیال میں یہ ممکن نہیں۔" جیرال مسکرایا۔

"اچھی بات ہے ـــ کیا آپ مجھے چند منٹ کے لیے اپنی لائبریری میں جانے کی اجازت دیں گے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ضرور کیوں نہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے تینوں کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا، پھر لائبریری کی طرف بڑھے ـــ ساتھ ہی بولے:

"بیگم مہمانوں کے لیے کچھ تیار کیا یا نہیں؟"

"بہت کچھ تیار ہے۔" ان کی آواز سنائی دی۔

"تو پھر ٹرے محمود کو تھما دیں نا۔"

یہ کہ کر وہ کمرے میں داخل ہو گئے ـــ پانچ منٹ بعد وہ کمرے سے نکلے تو ان کے چہرے پر ایک پُراسرار

مسکراہٹ ناچ رہی تھی — ادھر مہمان کھانے پینے میں مصروف
تھے — ان کے قدموں کی چاپ سن کر انھوں نے سر اٹھائے:
"میں نے اس بچی کے بارے میں ایک اندازہ قائم کیا
ہے — کیا آپ سننا پسند کریں گے؟"
"ضرور کیوں نہیں" وہ بولا۔
عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی:
"آہا — پروفیسر انکل آئے ہیں۔"
ساتھ ہی ایک بار پھر گھنٹی بجی:
"ارے! انکل خان رحمان بھی ساتھ ہیں — اور یہ انھوں نے
اپنے حصے کی گھنٹی بجائی ہے" فرزانہ چہکی۔
"پروفیسر داؤد کو تو آپ نے میک اپ چیک کرانے کے
لیے بلایا ہوگا، لیکن آپ نے خان رحمان کو کیوں بلایا۔
کیا آپ میرے خلاف یہاں طاقت جمع کر رہے ہیں؟" جیرال
نے چونک کر کہا۔
"ابھی دونوں اندر آ جاتے ہیں — تو خود ہی پوچھ لیجیے
گا" انسپکٹر جمشید مسکرائے — اتنے میں محمود نے دروازہ کھول
دیا — وہ دونوں اندر آئے اور پھر ان کی نظریں جیرال پر
جم گئیں —
"کمال ہے — اس قدر زبردست ہم شکل" خان رحمان بولے۔

"آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔"
"لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ بالکل اصلی جیرال ہیں۔"
"اصلی جیرال کے تو ہم نے ٹکڑے اڑا دیے تھے" پروفیسر
داؤد بولے۔
"یہ باتیں تو خیر بعد میں ہوں گی — پہلے تو یہ بتائیں —
خان رحمان آپ کے ساتھ کیسے آ گئے؟"
"میں انھیں لے آیا ہوں — نہ جانے کیوں میرا جی چاہا اور
میں نے اپنی گاڑی کا رخ ان کے گھر کی طرف موڑ دیا۔"
"سن لیا مسٹر جیرال؟"
"ہاں! سن لیا — اب معاملے کی بات ہو جائے۔"
"ہائیں جمشید — تم بھی انھیں جیرال کہ رہے ہو۔"
"فی الحال ہم انھیں اور کیا کہ سکتے ہیں — پروفیسر صاحب آپ
میک اپ صاف کرنے کی چیزیں لے آئے ہوں گے — مہربانی
فرما کر اپنا کام شروع کریں۔"
"اور آپ ان صاحبہ کا نام بتا رہے تھے۔"
"اوہ ہاں! یہ بات تو رہی جاتی ہے — پروفیسر صاحب اور
خان رحمان آپ ذرا اس بچی کو غور سے دیکھیں — یہ میک اپ
میں ہے — کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دراصل کون ہے؟"
"بھلا ہم یہ بات کس طرح بتا سکتے ہیں — ہاں ایسی باتیں

تم ضرور بتا دیتے ہو — لہٰذا بتاؤ — یہ کون ہے"؟

"پہلے معاملہ سُن لیں، کیا ہے — یہ بچی مسٹر جیرال کے سا[تھ] آئی ہے — جیرال بھی اس وقت میک اپ میں تھے، لیکن ہم نے پہچان لیا — انھوں نے اپنا میک اپ اتار دیا — ہم چاہتے ہیں کہ ان کے چہرے کو چیک کیا جائے — لہٰذا آپ کو بلانا پڑا — اور ماہرین بھی آ رہے ہیں — ایسے میں ہم نے اس بچی کا میک اپ اتارنا چاہا، لیکن مسٹر جیرال اڑ گئے — آخر یہ شرط طے پائی کہ ہم پنجہ آزمائی کر لیتے ہیں — ہم نے پنجہ آزمائی کی تو..." انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"تو کیا جمشید؟" خان رحمان پریشان ہو گئے۔

"ہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا، لیکن دونوں ایک دوسرے کو شکست نہیں دے سکے۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے — اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اگر میں اپنی عقل کے ذریعے یہ بات معلوم کر لوں کہ بچی کون ہے تو اس صورت میں تو انھیں کوئی اعترا[ض] نہیں ہوگا — مسٹر جیرال نے کہا کہ بھلا اس صورت میں یہ کیا اعتراض کر سکتے ہیں — اس پر میں نے اپنی لائبریری میں پانچ منٹ کے قریب وقت لگایا — اور میں نے جان لیا کہ

بچی کون ہے۔"

"کیا کہا — تم نے جان لیا؟" خان رحمان بولے۔

"ہاں! میں جان چکا ہوں۔"

"تو پھر بتاؤ نا — یہ کون ہے؟"

"یہ انشارجہ کے وزیر خارجہ کی بیٹی پومی ہے۔"

"کیا!!!"

جیرال بہت زور سے اُچھلا — اس کی آنکھیں پھیل گئیں، لیکن اس کے ساتھ محمود، فاروق، فرزانہ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی اُچھلے تھے —

ہے — اور اس کا مطلب ہے — ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیے، پروفیسر صاحب آپ اپنا کام شروع کریں۔"

پروفیسر داؤد آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک بار پھر گھنٹی بجی:

"یہ دوسرے ماہرین ہوں گے — جاؤ محمود، انھیں بھی لے آؤ۔"

محمود ماہرین کو لے آیا — یہ تعداد میں کُل نو تھے — یہ پروفیسر داؤد کے ساتھ مل کر جیرال کے چہرے پر کام کرنے لگے — ایک گھنٹے کی سرتوڑ کوشش کے بعد انھوں نے فیصلہ دیا:

"یہ صاحب میک اپ میں نہیں ہیں — دنیا کا کوئی ماہر انھیں میک اپ میں ثابت نہیں کر سکتا۔"

"اُف مالک — جیرال کو تو ہم نے بالکل ختم کر دیا تھا — اس بات کا پوری طرح اطمینان کر لیا گیا تھا کہ جیرال بالکل ختم ہو چکا ہے — کبھی دوبارہ سامنے آنے کے قابل نہیں رہا — لیکن یہ تو ایک بار پھر سامنے ہیں، اب ہم کیا کریں؟"

"کرنا کرانا کیا ہے — ان سے پوچھیں — یہ کیا چاہتے ہیں، ہمارے گھر آنے کا ان کا مقصد کیا ہے؟" فرزانہ بولی۔

"بالکل ٹھیک — مسٹر جیرال! فی الحال ہم مان لیتے ہیں کہ اب آپ میک اپ میں نہیں ہیں اور آپ اصلی جیرال ہی

پہلا وار

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے"؟ خان رحمان بولے۔

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ — یہ جملہ آپ نے کہا ہے ابا جان؟"

"ہاں کیوں — کیا یہ صرف تم کہہ سکتے ہو؟"

"لیکن یہ بات پلّے نہیں پڑی — مسٹر جیرال انشارجہ کے لیے کام کر سکتے ہیں — یہ اصلی ہیں یا نقلی، اس بات کو چھوڑتے ہوئے — لیکن انشارجہ کا وزیرِ خارجہ اپنی بیٹی کو بھلا ان کے ساتھ کیوں بھیجنے لگا اور اس کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے"

"بھئی اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں — پہلی تو یہ کہ مسٹر جیرال اس مرتبہ انشارجہ کے لیے کام کر رہے ہیں — اور دوسری یہ کہ مہم اس قدر خاص ہے کہ انشارجہ کے وزیرِ خارجہ نے اپنی بیٹی تک کو مہم میں جھونک دیا

ہیں — اب سوال یہ ہے کہ آپ کس لیے آئے ہیں؟"

"میں اور پومی جا رہے ہیں — فی الحال آپ کو صرف اور صرف یہ بتانے آئے تھے کہ ہم یہاں آ گئے ہیں — اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں تو کر لیں۔"

"بچاؤ — آپ سے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! مجھ سے — میں چوری چھپے وار کرنے کا عادی نہیں ہوں — یہ بات آپ جانتے ہیں — لہٰذا جان لیں — میں اعلان کر رہا ہوں — آپ اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں تو کر لیں — میں وار کروں گا — اور جیرال کا وار کوئی عام وار نہیں ہو گا۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے مسٹر جیرال — آپ کی بہادری اور آپ کے با اُصول ہونے کو ہم پہلے ہی سب جانتے ہیں — اور ہم اپنا بچاؤ کریں گے۔"

"شکریہ!" یہ کہ کر جیرال اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا آپ انھیں جانے دیں گے؟"

"ہاں! اس لیے کہ یہ ہمارے ہاں مہمان ہیں — دوسرے یہ کہ ابھی انھوں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا — جس جیرال نے جرم کیے تھے — ہمارے ملک کو نقصان پہنچائے تھے — اسے ہم ختم کر چکے ہیں — یہ چاہیے کہ آپ ہیں

ہوں — لیکن یہ ہیں دوسرے جیرال — وہ جیرال نہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے — ہم شکل جیرال۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ بات کوئی اور ہو۔"

"شکریہ انسپکٹر جمشید — بہت جلد ہماری مُلاقات ہو گی — اور دوسری مُلاقات آپ کو بہت عرصہ تک یاد رہے گی — ہم جا رہے ہیں۔"

دونوں اٹھ کر دروازے کی طرف چلے — عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی، وُہ چونک اُٹھے:

"یہ — اب کون صاحب آ گئے؟"

"دیکھ لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید یہ کہ کر خود آگے بڑھے۔

انھوں نے دروازہ کھولا — باہر ان کے ملک کے وزیر خارجہ عابد جیلانی کھڑے تھے — وہ انھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے:

"سر آپ — خیر تو ہے — آپ مجھے بُلا لیتے۔"

"نہیں — مجھے آنا پڑا — بہت اہم معاملہ ہے۔"

"ایک منٹ سر — پہلے میں ان دو مہمانوں کو رخصت کر دوں — آپ اندر تشریف لے چلیے — بھئی پروفیسر صاحب — جیلانی صاحب کو بٹھائیے۔"

"آئیے سر۔" پروفیسر فوراً بولے۔

"اوہو — پروفیسر داؤد صاحب — آپ یہاں موجود ہیں۔"

"جی ہاں! ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں — اور یہ میرے ساتھ خان رحمان بھی آئے ہیں۔"

"اوہو — ارے — یہ کون لوگ ہیں؟" ایسے میں جیلانی صاحب کی نظر جیرال اور پومی پر پڑی۔

"کیا آپ انھیں پہچانتے ہیں سر؟"

"میں اس لڑکی کو تو نہیں جانتا — لیکن یہ حضرت تو جیرال لگتے ہیں — لیکن جیرال تو آپ لوگوں کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔"

"جی ہاں! اس میں کیا شک ہے — لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ حضرت بالکل جیرال نظر آتے ہیں۔"

"اور آپ انھیں رخصت کر رہے ہیں — گرفتار کیوں نہیں کرتے۔" وزیرِ خارجہ بولے۔

"ابھی انھوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"لیکن کر تو سکتے ہیں۔"

"جرم سے پہلے میں کسی کو گرفتار کرنے کا قائل نہیں — اور جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے — اس وقت تک بھی گرفتار کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"لیکن یہ شخص ملک اور قوم کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اگر ان صاحب نے ایسی کوئی حرکت کی تو ہم بھی بے خبر نہیں ہیں۔"

"خیر — یہ آپ کا کام ہے — میں کیا کر سکتا ہوں۔"

اسی وقت جیرال اور پومی باہر نکل گئے — مڑ کر انھوں نے رخصتی انداز میں ہاتھ ہلائے اور مسکرائے بھی — دروازہ بند کرکے انسپکٹر جمشید واپس لوٹے تو وزیرِ خارجہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو چکے تھے اور ان کے پیچھے باقی لوگ بھی اندر داخل ہو رہے تھے — اچانک انھیں فرش پر ایک رومال پڑا نظر آیا — وہ تیزی سے جھکے — رومال اٹھایا — جلدی سے ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچے — اور بولے:

"سر! کیا یہ آپ کا نہیں ہے؟"

"رومال — نہیں تو۔"

"تب پھر یہ ضرور جیرال کا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ فوراً باہر کی طرف بھاگے۔

"اوہو — ایک رومال کے لیے اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" جیلانی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

باقی لوگ مسکرا دیے — وہ انسپکٹر جمشید کو اچھی طرح جانتے تھے — ان کی یہ بھاگ دوڑ بلاوجہ نہیں ہو سکتی تھی —

انسپکٹر جمشید دروازے پر پہنچے، لیکن جیرال کا دور دور تک
پتا نہیں تھا۔ اب انھوں نے رومال کا بغور جائزہ لیا۔
اور بری طرح اچھلے۔ فوراً واپس پلٹے۔ اور ڈرائنگ روم
میں داخل ہوتے ہوئے انھوں نے پروفیسر داؤد سے کہا:
"اس رومال کو دیکھیے ذرا۔ جلدی سے۔"
جونہی پروفیسر داؤد نے رومال لے کر دیکھا، زور سے
اچھلے۔ نہ صرف اچھلے، بلکہ باہر کی طرف دوڑ لگا دی اور
پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔
"حد ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید کی بھاگ دوڑ کیا کم تھی کہ اب پروفیسر
صاحب بھی دوڑ پڑے۔"
سب ان کا انتظار کرتے رہے، لیکن جب پانچ منٹ
تک بھی پروفیسر صاحب کی واپسی نہ ہوئی تو مارے حیرت
کے ان کا برا حال ہو گیا۔ اب تو وہ سب باہر نکل آئے،
لیکن دروازے کے باہر پروفیسر داؤد کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔
"اس کا مطلب ہے کھیل شروع ہو گیا ہے۔ اور جیرال
اپنا پہلا وار کر گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے، پھر بولے:
"آؤ۔ ہم بھی تجربہ گاہ کی طرف چلتے ہیں۔"
"اور میں جو کچھ بات کرنے آیا تھا۔" وزیرِ خارجہ بولے۔
"اوہ ہاں۔ اچھا تم تینوں اپنے انکل خان رحمان کو ساتھ

لے کر تجربہ گاہ کی طرف جاؤ۔ بلکہ خان رحمان تم اپنے گھر جاؤ۔
ضرورت پڑی تو تمھیں بلا لیں گے۔ جلدی کرو۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔"
انھوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔
"ہاں! اب آپ فرمائیں۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"
"میں چند روز سے اپنے گھر میں بہت پراسرار سی نقل و
حرکت محسوس کر رہا ہوں۔ کوئی رات کے وقت پوری کوٹھی میں
گھومتا پھرتا ہے۔"
"آپ نے اسے پکڑنے کی کوشش نہیں کی؟"
"بہت کوشش کر چکے ہیں۔ لیکن وہ ہاتھ نہیں آتا۔ چھلاوہ
ہے چھلاوہ۔ اس وقت تک میرے تین ملازم بری طرح زخمی ہو
چکے ہیں۔"
"کیا آپ کی کوٹھی کے باہر پولیس نہیں ہوتی؟"
"ہوتی کیوں نہیں۔ لیکن پولیس بھی اسے نہیں پکڑ سکی۔ اور
اس کی بے خوفی کا یہ عالم ہے کہ وہ برابر کوٹھی میں چلتا پھرتا
نظر آتا ہے۔"
"خیر۔ ہم اسے دیکھ لیں گے۔ آج رات میں اور میرے
بچے آپ کی کوٹھی میں گزاریں گے۔"
"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔ تو پھر اب میں چلتا ہوں۔"
"ہاں! آپ بے فکر رہیں۔"

وہ انھیں رخصت کرنے دروازے تک آئے — ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی :

"معلوم ہوتا ہے — جیرال اب ہمیں سانس نہیں لینے دے گا" یہ کہ کر انھوں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا — دوسری طرف سے کوئی عورت گھبرائی ہوئی آواز میں کہ رہی تھی :

"ہیلو — یہ انسپکٹر جمشید کا گھر ہے نا؟"

"جی ہاں ! انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔"

"شکریہ انسپکٹر صاحب — آپ فوراً یہاں آ جائیں — کام بہت خراب ..."

اسی وقت الفاظ کا سلسلہ رک گیا — اور فون بند ہو گیا — انسپکٹر جمشید نے فوراً ایکس چینج کے نمبر ڈائل کیے اور بولے :

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں — ابھی ابھی میرے نمبر پر کس نمبر سے بات ہو رہی تھی — میں وہ نمبر اور اس کا پتا جاننا چاہتا ہوں۔"

"او کے سر — ابھی بتاتا ہوں۔"

ایک منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی :

"آپ کو فون ۳۶۵۶۷۴ سے کیا گیا ہے — پتا نوٹ کر لیں ۹۶ جی ایل ماڈل کالونی۔"

"شکریہ !" انھوں نے کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

اب ان کی کار ہوا سے باتیں کر رہی تھی — وہ یہ بات بھی بھول چکے تھے کہ پروفیسر داؤد اور باقی سب لوگ تجربہ گاہ کی طرف دوڑ لگا چکے تھے — اس وقت وہ صرف اور صرف اس عورت کے بارے میں سوچ رہے تھے — اس لیے کہ اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی —

ماڈل کالونی میں ۹۶ جی ایل تلاش کرنے میں انھیں چند منٹ لگے — یہ ایک چھوٹی سی خوب صورت کوٹھی تھی — دروازے پر نام کی تختی پر صولت بیگ روزنامہ قوم لکھا تھا — کوٹھی کا گیٹ کھلا پڑا تھا — وہ فوراً کار اندر لے گئے — کار سے اتر کر اندرونی دروازے کی طرف لپکے — دروازے پر ہاتھ لگایا ہی تھا کہ وہ کھل گیا — پھر بھی انھوں نے پہلے گھنٹی بجائی — جلدی جلدی تین بار گھنٹی بجانے کے بعد آخر وہ اندر داخل ہو گئے اور پھر دھک سے رہ گئے —

فرش پر ہر طرف خون ہی خون پھیلا تھا — گھر کی تمام چیزیں الٹ پلٹ پڑی تھیں — یوں لگتا تھا جیسے زبردست ہنگامہ ہوا ہے — الماریاں اور سیف وغیرہ سے تمام چیزیں نکال کر ڈھیر کر دی گئی تھیں — گویا حملہ آوروں کو کسی چیز کی تلاش بھی تھی — گھر میں کوئی نہیں تھا —

اب انھوں نے باہر نکل کر فرش کا جائزہ لیا — ایک کار کے تازہ نشانات موجود تھے اور دو آدمیوں کے گھسیٹے جانے کے نشانات بھی موجود تھے — گویا گھر کے افراد کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا تھا اور پھر انھیں کار میں ڈال کر یہاں سے لے جایا گیا تھا۔

ایک بار پھر وہ اندر گئے — فون کے تار کاٹ دیے گئے تھے — ساری بات ان کے ذہن میں واضح ہو گئی — گھر کے افراد نے مدد کے لیے انھیں فون کیا، لیکن فون کے تار کاٹ دیے گئے، اس کے بعد وہ انھیں اغوا کر کے لے گئے — سوال یہ تھا کہ حملہ آور گھر کے افراد سے کیا چاہتے تھے —

کوٹھی سے باہر نکل کر انھوں نے اکرام کو فون کیا، اسے ہدایات دیں اور پھر ساتھ والی کوٹھی کے دروازے پر پہنچے — اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا — دستک کے جواب میں ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا:

"جی فرمائیے — کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ اپنے دائیں طرف والے پڑوسی کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟"

"جی کیا مطلب — بھلا ساتھ والے پڑوسی کے بارے میں

بھی نہیں جانتا ہوں گا، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"شکریہ! تو پھر بتائیے — آپ کے پڑوسی کون ہیں — کیا کرتے ہیں؟"

"یہ بات تو ان کی نیم پلیٹ سے معلوم ہو سکتی ہے — اور پھر آپ براہِ راست ان سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔" ادھیڑ عمر نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

"اس لیے کہ وہ گھر میں نہیں ہیں۔"

"تو ان کی بیوی تو گھر میں ہو گی نا۔"

"جی نہیں — وہ بھی نہیں ہیں۔"

"اوہو اچھا — خیر — آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں اور کیوں؟"

"مسز صولت نے تھوڑی دیر پہلے مجھے فون کیا تھا، لیکن فوراً ہی کسی نے فون کے تار کاٹ دیے۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"اب میں یہاں پہنچا ہوں تو گھر کا دروازہ کھلا پڑا ہے اور اندر خون پھیلا ہوا ہے۔"

"ن — نہیں — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"آئیے میں آپ کو دکھا دیتا ہوں۔"

"ن — نہیں — میں نہیں جاؤں گا — پولیس تو مجھے دھر لے گی۔"

"نہیں — پولیس آپ کو گرفتار نہیں کرے گی — آپ پریشان نہ ہوں — بس مجھے صولت بیگ کے بارے میں بتائیں۔"

"وہ بہت اچھے آدمی ہیں — صحافی ہیں — سنا ہے روزنامہ قوم کے چیف ایڈیٹر ہیں — کہا جاتا ہے کہ یہ نہ تو بکنے والے ہیں، نہ جھکنے والے — بڑے بڑوں کے خلاف لکھتے رہتے ہیں — ملک اور قوم کے خلاف جو بھی بڑا آدمی کوئی کام کرتا نظر آ جاتا ہے، اسی کے خلاف اپنے اخبار میں چھاپ دیتے ہیں — اس طرح انھوں نے اپنے بے شمار دشمن بنا لیے ہیں — ہو سکتا ہے — ایسا ہی کوئی دشمن آج یہاں آ گیا ہو — لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ٹھیک ہے — آپ کا شکریہ۔"

وہ وہاں سے پلٹے ہی تھے کہ اکرام کی جیپ آتی نظر آئی — اس کے پیچھے پولیس بھی تھی — پڑوسی نے بھی پولیس کی گاڑیوں کو آتے دیکھا تو دروازے پر ہی رک گیا — پھر جو اکرام نے جیپ سے اتر کر انسپکٹر جمشید کو سلوٹ کیا اور دوسرے پولیس والے بھی سلوٹ مارتے نظر آئے تو وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا — کیونکہ وہ اس سے اس قدر نرم آواز میں باتیں کرتے رہے تھے کہ

پولیس والے سے اس قدر نرم لہجے کی امید تک نہیں کی جا سکتی۔

اور جب وہ اکرام کے ساتھ اندر داخل ہو گئے تو ادھیڑ عمر پڑوسی نے ایک کانسٹیبل کے پاس جا کر پوچھا:

"یہ جو سادہ لباس والے آفیسر اندر گئے ہیں — ان کا کیا نام ہے؟"

"جی — انھیں انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"کیا!!!" اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

انسپکٹر جمشید اکرام کے ساتھ اندر آئے تو اکرام بھی دھک سے رہ گیا، پھر اس کے منہ سے نکلا:

"اُف مالک! یہ کیا ہوا؟"

"صولت بیگ کے بارے میں کچھ جانتے ہو اکرام؟"

"کچھ نہیں — بہت کچھ — اس قسم کے محب وطن لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔"

"اوہ! تب وہ پڑوسی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا — خیر — تم کیا بتا سکتے ہو؟"

"ملک دشمن عناصر کے خلاف لکھنا صولت بیگ کا روز کا کام ہے — یہ شخص نہ کسی سے ڈرتا ہے، نہ کسی کے رعب میں آتا ہے — بس اپنا کام کرتا رہتا ہے — اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بے شمار دشمن ہیں۔" اس نے بتایا۔

اکرام کے ماتحت اپنا کام شروع کر چکے تھے ۔ انھوں نے پوری کوٹھی سے نشانات اٹھائے ، الماریوں کے دروازوں سے بھی نشانات لیے گئے ۔ حملہ آوروں نے ہاتھوں پر دستانے نہیں پہن رکھے تھے ۔ لہٰذا ہر جگہ سے نشانات مل گئے ۔

" بے چارے کی بیوی کو بھی اٹھا لے گئے ۔ یہ بہت ظلم ہے اکرام ۔ اور میں اغوا کرنے والوں کو نہیں چھوڑوں گا ۔"

" کیا آپ کے خیال میں یہ کام جیرال کا ہے ؟"

" نہیں ۔ جیرال اور طرح کا مجرم ہے ۔ وہ ایسے کام نہیں کرتا ۔ بلا وجہ خون خرابہ نہیں کرتا ۔ اگر اس کا کام خون خرابے کے بغیر چل سکتا ہے تو وہ ہرگز ایسے کام نہیں کرے گا ۔"

" لیکن یہ وہ جیرال تو ہے نہیں ۔ وہ تو مارا گیا تھا ۔"

" ہاں ! یہ وہ جیرال نہیں ہے ۔ تو پھر یہ کون ہے ۔ میرا خیال ہے اس کام کے لیے ہمیں انسپکٹر کامران مرزا کی ڈیوٹی لگانا پڑے گی ، کیونکہ ہم اس طرف اُلجھتے نظر آتے ہیں ۔" انھوں نے کہا ۔

" یس سر ۔ یہ ٹھیک رہے گا ۔"

" میں ابھی انھیں فون کرتا ہوں ۔"

یہ کہہ کر وہ فون کرنے کے لیے باہر نکلنے ہی لگے تھے کہ ایک سادہ لباس والا دوڑتا ہوا آیا ۔ اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کا راج تھا ۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے کوئی بہت خوف ناک چیز دیکھی ہے ۔

پُراسرار بے ہوشی

محمود، فاروق اور فرزانہ آندھی اور طوفان کی طرح تجربہ گاہ میں پہنچے — دروازہ کھلا تھا، وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے — انھوں نے دیکھا، پروفیسر داؤد اپنی کرسی میں دھنسے ہوئے تھے اور بالکل ساکت بیٹھے تھے — وہ رومال ان کی میز پر موجود تھا —

"پروفیسر انکل — کیا ہوا، خیر تو ہے؟"

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا — اب تو وہ گھبرا گئے — آگے بڑھے اور انھیں شانے سے پکڑ کر ہلایا — اتنے میں شائستہ بھی آ گئی — وہ بھی اپنے والد کو اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی — انھوں نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں — اور جسم ساکت تھا — اب تو ان کے ہوش اڑ گئے — جلدی جلدی نبض اور دل کی دھڑکن چیک کی — دل حرکت کر رہا تھا اور نبض بھی چل رہی تھی — یوں

لگتا تھا، جیسے وہ ہوش میں تو ہیں، لیکن نہ بول سکتے ہیں نہ ہل سکتے ہیں —

"انکل — یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے — آپ ہوش میں ہیں یا بے ہوش ہیں — اگر ہوش میں ہیں تو بات کیوں نہیں کرتے اور اگر بے ہوش ہیں تو آپ کی آنکھیں کیوں کھلی ہیں — یہ کیسی بے ہوشی ہے؟" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"پُراسرار بے ہوشی۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"میرا خیال ہے — ڈاکٹر کو بلانا پڑے گا — ارے ہاں! ہم اس رومال کو تو بھول ہی گئے — ایسا لگتا ہے — جیسے یہ رومال لے کر یہاں پہنچے ہی تھے کہ بے ہوش ہو گئے، اس رومال کے بارے میں یہ اپنے کسی اسسٹنٹ تک سے بات نہیں کر سکے — پہلے یہ رومال کسی اسسٹنٹ کے حوالے کر دینا چاہیے۔"

"بالکل ٹھیک۔"

اب انھوں نے ساتھ والے کمرے کے دروازے پر دستک دی — اس میں ان کے اسسٹنٹ کام کرتے تھے — باقی کمروں میں بھی دوسرے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے — دروازہ کھلا اور ایک نوجوان آدمی کا چہرہ نظر آیا:

"آہا! یہ آپ لوگ ہیں۔" اس نے چہک کر کہا۔

"ہاں ! ہم ہی ہیں ، لیکن یہ پروفیسر صاحب کو کیا ہو گیا ہے ؟"

"کیا ہو گیا ہے" ؟ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"آئیے جلدی کریں — اس کا مطلب ہے — آپ لوگوں کو کچھ معلوم نہیں"۔

"بالکل نہیں — ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ آپ کے ہاں سے واپس آ چکے ہیں — جاتے ہوئے انھوں نے بتایا تھا کہ آپ کے ہاں جا رہے ہیں"۔

"اوہ — وہاں سے یہ اس رومال کو لے کر دوڑے تھے آپ سب سے پہلے اس رومال کو دیکھ لیں"۔

"کک — کیسا رومال" ؟ اس نے گھبرا کر کہا اور پھر جلدی سے پروفیسر صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا — اس کی نظریں رومال پر جم گئیں — پھر اس کی آنکھوں میں خوف سما گیا — اس نے رومال اٹھایا اور اپنے کمرے کی طرف دوڑ پڑا۔ ساتھ ہی اس نے کہا :

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں — یہ رومال خطرناک ہے"۔

وہ رک گئے — ادھر اسسٹنٹ نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا — محمود نے فوراً فون کا ریسیور اٹھایا اور ڈاکٹر فضل کے نمبر گھمائے — پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر فضل اندر داخل

ہوئے — اور سیدھے پروفیسر داؤد کی طرف بڑھے — انھوں نے پروفیسر صاحب کا معائنہ شروع کیا ، لیکن جلد ہی انھوں نے جان لیا کہ ان کی بے ہوشی کی وجہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی — آخر وہ خود ہی بولے :

"میں نہیں سمجھ سکا — انھیں ہسپتال لے کر جانا پڑے گا — میں ایمبولینس کو فون کرتا ہوں"۔

"جیرال نے گویا اپنا کام بھرپور طریقے سے شروع کر دیا ہے — ہمیں ہر طرف سے الجھا دینا ، یہ اس کا پرانا طریقہ ہے — خیر"۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی :

"یہ ایسے میں کون آ گیا — شائستہ — ذرا تم ہی دیکھ لو"۔ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"بہت اچھا" ! شائستہ نے فوراً کہا اور دوڑ گئی — جلد ہی لوٹی — اس کے ساتھ ایک نوجوان آدمی تھا :

"یہ انکل خادم گرمانی ہیں"۔

"خادم گرمانی — کیا مطلب" ؟ فرزانہ چونکی۔

"ابو کے دوست ہیں — پہلے بھی ان سے ملنے کے لیے آتے رہتے ہیں"۔

"اوہ اچھا — لیکن گرمانی صاحب — آپ اس وقت ان سے

نہیں مل سکتے، اس لیے کہ یہ اس وقت بے ہوش ہیں۔"

"اوہ اچھا — لیکن انھیں ہوا کیا ہے؟"

"یہ تو ابھی ڈاکٹر صاحب نہیں جان سکے — ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔"

"اوہ! تب تو انھیں ہسپتال لے جانا ہوگا — میرے پاس بڑی گاڑی ہے — اس پر لے چلتے ہیں۔"

"میں نے ایمبولینس کے لیے فون کر دیا ہے — وہ آتی ہی ہو گی — یہ اس میں آرام سے جائیں گے، گاڑی میں انھیں تکلیف ہو گی۔" ڈاکٹر فضل نے کہا۔

"ٹھیک ہے — جیسے آپ کی مرضی۔"

"میں ذرا یہ دیکھ لوں — اس رومال کے بارے میں کچھ معلوم ہوا یا نہیں؟" محمود نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"رومال — کیسا رومال؟" خادم گرمانی نے کہا۔

"پہلے تو آپ بتائیں — آپ کیسے تشریف لائے؟" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"پروفیسر صاحب سے ملنے کے لیے آیا ہوں — ان کا دوست ہوں — جیسا کہ شائستہ نے بتایا ہے۔"

"آپ کا فون نمبر کیا ہے؟" فرزانہ بولی۔

"کیوں آپ کو میرے فون نمبر کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"شائستہ — اپنے انکل گرمانی کا نمبر بتا سکتی ہو؟" فرزانہ نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"ہاں! کیوں نہیں — ان کا نمبر ۳۹۴۹۴۹ ہے۔"

فرزانہ فوراً فون کی طرف بڑھی — اور وہ جلدی جلدی یہ نمبر گھما ڈالے:

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" گرمانی نے جھلا کر کہا۔

"آپ ذرا خاموش رہیں — ہم اس وقت پُر اسرار ترین حالات سے دو چار ہیں۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"بالکل غلط۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا غلط بات کہہ دی میں نے؟" محمود اس پر الٹ پڑا۔

"یہ کہ ہم اس وقت پُر اسرار ترین حالات سے دو چار ہیں — جی نہیں — ہم دو چار نہیں — چار آٹھ ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"حد ہو گئی۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

عین اس وقت سلسلہ مل گیا:

"السلام علیکم — یہ خادم گرمانی کا نمبر ہے نا؟"

"جی ہاں! فرمائیے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں خادم گرمانی صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ تو میں یہاں کھڑا ہوں۔" خادم گرمانی فوراً بولا۔

"جی وہ یہاں نہیں ہیں — پروفیسر صاحب کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔" اس طرف سے کہا گیا۔

"اوہ اچھا — بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر فرزانہ نے ریسیور رکھ دیا۔

"معاف کیجیے گا گرمانی صاحب — دراصل میں شک میں مبتلا ہو گئی تھی کہ آپ خادم گرمانی ہیں بھی یا نہیں — اب جب کہ تصدیق ہو گئی ہے — ہمیں کوئی شک نہیں رہا۔"

"آپ — آپ بہت ذہین ہیں۔" خادم گرمانی نے اس کی تعریف کی —

"شکریہ — آپ تشریف رکھیں۔"

عین اس وقت باہر ایمبولینس کی آواز سنائی دی، پھر سٹریچر لیے چار آدمی اس کمرے تک آئے — اور پروفیسر داؤد کو اس پر لٹا کر لے چلے —

"ہم ساتھ جا رہے ہیں۔" محمود بولا۔

"لیکن محمود بھائی — آپ نے اب تک ساتھ والے کمرے سے رومال کے بارے میں معلوم نہیں کیا۔" شائستہ نے کہا۔

"ارے دھت تیرے کی۔" اس نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا — اور پھر اس کمرے کی طرف دوڑا — دروازے پر دستک دی — ایک منٹ بعد دوسری دستک دی، پھر تیسری

لیکن اندر حرکت کے کوئی آثار نظر نہ آئے:

"ارے باپ رے — ڈاکٹر صاحب — آپ پروفیسر صاحب کو خود ہسپتال لے جائیں — ہم ذرا اس کمرے کو دیکھ لیں، پتا نہیں، کیا چکر شروع ہو گیا ہے۔"

"آخر یہ رومال کا کیا چکر ہے؟" گرمانی نے کہا۔

"آپ کو شائستہ سے ساری بات معلوم ہو جائے گی۔"

"اوہ اچھا — خیر۔"

"لیکن اب ہم اس کمرے کے دروازے کا کیا کریں؟" محمود نے کہا —

"دروازہ توڑ دیتے ہیں۔"

"اگر ایسا ضروری ہے تو یہ کام میں کیے دیتا ہوں — توڑ پھوڑ، جوڈو کراٹے اور مارشل آرٹ میرے مشغلے ہیں۔"

"آئیے پھر — آپ ہی توڑیے۔"

اور اس نے ایک زبردست ٹکر دروازے پر ماری، ساتھ ہی دروازہ ٹوٹ کر دوسری طرف گرا — وہ فوراً اندر داخل ہوئے — دوسرے لمحے وہ دھک سے رہ گئے —

اندر پروفیسر داؤد کے پانچ اسسٹنٹ بالکل انھی کے انداز میں بے ہوش پڑے تھے:

"ارے باپ رے — یہ رومال تو حد درجے خطرناک ہے —

اس قدر خطرناک کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے ۔۔ پہلے تو اس رومال کو آگ لگا دینی چاہیے۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"آگ لگانے کی بجائے اس کو کسی کمرے میں بند کر دیتے ہیں، شاید اس سے کوئی زہریلی شعاعیں نکل رہی ہیں۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ٹھیک ہے ۔۔۔ ایسا کر لیتے ہیں۔"

محمود نے رومال کو اٹھایا ۔۔ سانس بند کیا اور اس کو ایک کمرے میں ڈال کر دروازے کو تالا لگا دیا:

"اب ان حضرات کو بھی ہسپتال لے جانا ہو گا ۔۔ ڈاکٹر صاحب آپ ایک فون ان کے لیے بھی کر دیں اور پروفیسر صاحب کو لے جائیں ۔۔ اب ہم یہیں ٹھہریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" ڈاکٹر فضل فون کی طرف بڑھ گئے ۔۔ فون کرنے کے بعد وہ نیچے کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے۔

"پتا نہیں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟"

"شائستہ! تم مجھے تھوڑی بہت تفصیل سنا دو، پھر میں تو چلتا ہوں ۔۔۔ میرا خیال ہے ۔۔۔ میں اور کوئی کام نہیں آ سکوں گا۔"

"نہیں خیر ۔۔ آپ تو بہت کام کے آدمی ہیں ۔۔۔ ایک ٹکر میں اتنا مضبوط دروازہ توڑ ڈالا۔" محمود مسکرایا۔

"بس! اس حد تک میں کام آ گیا ۔۔ اب یہاں میرے لائق اور کوئی کام نہیں نظر آیا۔"

"آئیے انکل ۔۔۔ ہم اس طرف بیٹھتے ہیں ۔۔ میں آپ کو بتاتی ہوں۔"

دونوں ایک طرف بیٹھ گئے ۔۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کچھ فاصلے پر بیٹھے رہے ۔۔ انھیں اب مزید ایمبولینسوں کا انتظار تھا:

"کچھ اندازہ لگایا؟" محمود نے ان کی طرف دیکھا۔

"میں اس شخص کے بارے میں الجھن میں ہوں۔" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا ۔۔ اس کا اشارہ خادم کرمانی کی طرف تھا ۔۔

عین اس وقت خادم کرمانی نے فرزانہ کی طرف دیکھا ۔۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے، کیونکہ فرزانہ کی آواز اس قدر آہستہ تھی کہ اتنے فاصلے پر بیٹھا ہوا شخص کسی صورت بھی نہیں سن سکتا تھا، جب کہ اس کے دیکھنے کے انداز سے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس نے یہ جملہ بالکل صاف سنا ہو ۔۔

"آپ کس لیے ہماری طرف دیکھ رہے ہیں؟" فرزانہ نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"میں نے آپ کا جملہ سن لیا ہے ۔۔ آپ میرے بارے میں الجھن میں ہیں، جب کہ شائستہ نے میرا تعارف کرا دیا ہے اور آپ نے فون کر کے میرے بارے میں تصدیق کر لی ہے ۔۔ لیکن خیر ۔۔

"آپ ضرور میرے بارے میں اُلجھن میں رہیں — بھلا میں اس میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"آپ کے کان بلا کے تیز ہیں — اس قدر تیز کان تو شاید ہماری بہن کے بھی نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب — کیا ان کے کان اس قدر تیز ہیں۔" خادم گرمانی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"لیکن آپ جتنے نہیں۔"

"اس میں شک نہیں کہ میرے کان بہت تیز ہیں — ہاں تو شائستہ تم کیا کر رہی تھیں؟"

انھوں نے اس کی طرف سے نظریں ہٹا لیں:

"اب ہم آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کریں گے۔" محمود نے اشاروں میں کہا۔

"ہاں! بالکل ٹھیک — پھر دیکھیں گے کہ یہ حضرت کیسے ہماری باتیں سُن لیتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اسی وقت خادم گرمانی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا:

"اچھا شائستہ بہت بہت شکریہ — اب میں چلوں گا۔"

"شکریہ انکل۔" شائستہ نے کہا۔

خادم گرمانی دروازے کی طرف بڑھا:

"ایک منٹ جناب — ہم آپ کے بارے میں اپنا اطمینان

کرنا چاہتے ہیں۔" ایسے میں فرزانہ کی آواز گونج اُٹھی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"ہمارا خیال ہے کہ آپ خادم گرمانی نہیں ہیں — کیا آپ ہمیں اپنے چہرے کا معائنہ کرنے کی اجازت دیں گے؟"

"کیوں — میرے چہرے کو کیا ہوا؟"

"بس — دیکھیں گے ہم۔"

"تو ضرور دیکھیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

تینوں ایک ساتھ اس کے چہرے پر جھک گئے —

میں جا رہا ہوں

"کیا بات ہے بھئی — خیر تو ہے؟"

"اندر — سر — ایک غسل خانے میں۔" اس نے کانپ کر کہا —

"کیا مطلب؟" وہ بولے۔

"آئیے سر — میں بتا نہیں سکتا۔" اس نے کانپ کر کہا۔

دونوں اس کے ساتھ لپکے اور غسل خانے تک پہنچے۔ اندر کا منظر دیکھ کر ہی ان کے دل الٹ سے گئے۔ ایک عورت کی گردن دھڑ سے الگ پڑی تھی، غسل خانے میں خون ہی خون تھا —

"حیرت ہے — یہ لاش ہمیں اب کیوں نظر آئی؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کک — کیا مطلب؟" اکرام چونکا۔

"بھئی میں پورے مکان کا جائزہ لے چکا ہوں اور میں

یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس غسل خانے کو بھی دیکھا تھا — جانتے ہو اکرام اس بات کا کیا مطلب ہے؟"

"یس سر — قاتل اس وقت گھر میں موجود تھا — اور اس نے اس عورت کا منہ ہاتھ رکھ کر بند کر رکھا تھا — تاکہ آواز نہ نکال سکے — اور وہ اس وقت ایک کمرے سے دوسرے میں حرکت کر رہا تھا — یعنی نظروں سے بچنے کے لیے — پھر آخر کار اس نے اس غسل میں اس غریب کو ہلاک کر دیا۔ یہ ضرور صولت بیگ کی بیوی ہے۔"

"ہاں اکرام! اسی نے مجھے فون کیا ہو گا — ہمیں قاتلوں تک جلد از جلد پہنچ جانا چاہیے۔ کیونکہ وہیں صولت بیگ ہو گا — اور میں نہیں چاہتا — یہ سفاک لوگ اسے بھی قتل کر ڈالیں۔"

"آخر قاتل صولت بیگ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"اللہ ہی بہتر جانتے ہیں — تم جلدی جلدی اپنا کام مکمل کرو — میں ذرا انسپکٹر کامران مرزا سے بات کر لوں — اب پانی سر سے گزرنے لگا ہے — ہم لوگوں کو اس رفتار سے حرکت میں آنا پڑے گا — جس سے مجرم کام کر رہے ہیں — بلکہ ان سے بھی زیادہ تیزی سے، ورنہ وہ آگے نکل جائیں گے اور ہم پیچھے رہ جائیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ فون کی طرف لپکے — جلدی جلدی انسپکٹر کامران مرزا کے گھر کے نمبر ڈائل کیے — سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے آفتاب کی آواز سنائی دی:

"السلامُ علیکم — خادم کو آفتاب احمد کہتے ہیں — فرمائیے؟"

"میں جمشید بات کر رہا ہوں — کامران مرزا کہاں ہیں؟"

"گھر میں ہی ہیں — میں انھیں بلاتا ہوں — ابا جان — آئیے — انکل جمشید کا فون ہے۔"

"اوہ! تب تو کوئی اہم بات ہو گی۔" انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی اور پھر وہ فون پر آ کر بولے:

"ہاں بھئی السلامُ علیکم — کیا معاملہ ہے؟"

"وعلیکم السلام — جیرال۔" وہ بولے۔

"جیرال — کیا مطلب — یہ جیرال کا ذکر کہاں سے نکل آیا — اس کی تو ہڈیاں تک گل سڑ گئی ہوں گی۔"

"لیکن وہ زندہ سلامت حالت میں ایک بار پھر ہمارے مقابلے پر ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ کے ذمے یہی کام ہے۔"

"یعنی یہ معلوم کرنا کہ وہ ایک بار پھر زندہ سلامت ہمارے سامنے کس طرح موجود ہے۔"

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"اچھی بات ہے — پہلے تو تفصیلات ہو جائیں ذرا۔"

انسپکٹر جمشید نے پوری تفصیلات سنا دیں — انسپکٹر کامران مرزا سنتے رہے، آخر ان کے خاموش ہونے پر بولے:

"تب پھر ہم فوراً آ رہے ہیں — بھئی جمشید — کیا شوکی برادرز کو بھی بلا لیں؟"

"ٹھیک ہے — کوئی حرج نہیں — آپ انھیں فون کر دیں — وہ بھی اپنے شہر سے دارالحکومت کے لیے روانہ ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا:

"لو بھئی اکرام — یہ لوگ تو اب ڈیڑھ دو گھنٹے تک آ جائیں گے — اب ہم صولت بیگ کے سلسلے میں کچھ کر لیں ذرا — اب تک کیا اندازہ لگایا؟"

"سر — پانچ آدمیوں کے قدموں کے نشانات ملے ہیں اور ان قدموں کے نشانات کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔" اکرام نے مسکرا کر کہا۔

"واہ — اکرام تمھارا جواب نہیں — چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا ہو — تو پھر چلو — ان پانچ سے دو دو باتیں ہو جائیں۔"

"تشریف لائیے — یہاں کا معاملہ عملہ سنبھال لے گا۔"

وہ باہر نکل کر جیپ میں بیٹھے اور اکرام نے جیپ
پر چھوڑ دی — جلد ہی جیپ شہر سے باہر نکل چکی تھی
وہ سڑک سے اُتر کر ایک کچی سڑک پر چلنے لگی:
"ہم ان کے خفیہ ٹھکانے کے نزدیک ہیں سر — اور وہ لوگ
خطرناک ہیں۔"
"لیکن بھئی — جب تم ان کے خفیہ ٹھکانے سے بھی واقف
ہو تو انھیں آج تک گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟"
"یہ گرفتار ہو چکے، مقدمہ چل چکا — سزا کاٹ کر آ چکے" اکرام نے کہا۔
"اور جس خفیہ ٹھکانے سے انھیں گرفتار کیا گیا تھا، اب
وہیں رہتے ہیں، لیکن جیل سے رہا ہونے کے بعد
تک ان کا کوئی جرم پولیس کی نظروں میں نہیں آیا — یہ
ان کی پہلی واردات ہے۔"
"چلو ٹھیک ہے۔"
پانچ منٹ بعد وہ جنگل میں گھری ایک پرانی عمارت
سامنے پہنچے — عمارت کا دروازہ بند تھا — انسپکٹر جمشید نے
کو ایک ٹھوکر رسید کی — دروازہ کھل گیا —
"شاید اندر کوئی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"اس کا مطلب ہے — یہ لوگ واردات کرنے کے
اس طرف نہیں آئے۔"

"آؤ اندر دیکھتے ہیں۔"
وہ اندر داخل ہوئے — چیزیں بے ترتیب پڑی تھیں،
کوئی چیز بھی جگہ پر نہیں تھی — کھانے کے برتن ادھر
ادھر بکھرے پڑے تھے — یوں لگتا تھا جیسے انھیں مدت
سے دھویا نہ گیا ہو —
"سوال یہ ہے سر کہ اب ہم ان کا سراغ کس طرح
لگائیں"
"ذرا صبر کرو — میں یہاں کی چیزوں کا جائزہ لے لوں۔"
وہ بولے —
اب انھوں نے ایک ایک چیز کو دیکھنا شروع کیا — ایک
دراز سے انھیں چند بل ملے — یہ ایک ہوٹل کے بل تھے،
ہوٹل کا نام تھا کارزار ہوٹل —
"غالباً یہ لوگ کارزار ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں — ان بلوں
کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا، ورنہ وہ یہ یہاں کبھی نہ رہنے
دیتے — آؤ کارزار ہوٹل چلیں۔"
وہ کارزار ہوٹل پہنچے:
"کسی سے کچھ نہ پوچھنا اکرام — ہم اس وقت سادہ
لباس میں ہیں — کوئی ہمیں نہیں دیکھ رہا — ہو سکتا ہے،
اس طرح وہ پانچوں ہمیں یہاں خود بخود نظر آ جائیں۔"

انسپکٹر جمشید نے ایک میز کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"او کے سر۔" اس نے فوراً کہا۔

دونوں ایک دور کی میز پر جا بیٹھے۔ بیرا آیا تو انہوں نے پینے کی کچھ چیزوں کا آرڈر دے دیا۔

"کیا خیال ہے اکرام۔ تمام لوگوں کا جائزہ لینے کے بعد وہ نظر آتے یا نہیں؟"

"ابھی تک نظر نہیں آئے سر۔"

"اس بات کا بھی خیال رہے کہ کہیں وہ میک اپ میں نہ ہوں۔"

"اوہ ہاں سر۔ اب میں اس خیال کے تحت دیکھتا ہوں۔"

"اگر مجھے ان کے حلیے معلوم ہوتے تو میں یہ اندازہ فوراً لگا سکتا تھا۔" وہ بولے۔

"کیا میں آپ کو ان کے حلیے بنا دوں سر؟"

"ہاں! یہ بہتر رہے گا۔"

اکرام نے کاغذ پر پنسل سے بیس منٹ میں پانچ چہرے بنا دیے۔ انسپکٹر جمشید ان چہروں کو بغور دیکھتے رہے۔ پھر انھوں نے ہوٹل میں موجود گاہکوں کو بغور دیکھا اور دبی آواز میں بولے:

"ان میں سے کم از کم دو یہاں موجود ہیں۔"

"اب کیا کرنا ہے؟"

"انتظار۔ شاید ان کے باقی ساتھی بھی یہاں آ جائیں۔"

"او کے سر۔" اکرام بولا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ دونوں کھانا کھانے کے بعد اٹھے اور بل ادا کرنے کے بعد بیرونی دروازے کی طرف چلے۔ یہ دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر ان کی ایک پرانی سی کار کھڑی تھی۔ دونوں اس میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ اب انھوں نے جیپ میں ان کا تعاقب کیا۔ یہ تعاقب بیس منٹ تک جاری رہا اور پھر ایک عمارت میں وہ کار داخل ہو گئی۔

"لو بھئی۔ شاید ان کے باقی تین ساتھی یہاں ہیں۔ اب آئے گا مزا۔ شاید صولت بیگ کا ان سے پتا چل جائے۔"

"لیکن سر۔ پہلے اس عمارت کو گھیرے میں لیا جانا ضروری ہے۔" اکرام نے کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔ تم جلد از جلد اپنے ماتحتوں کو یہاں بلا لو۔"

تھوڑی دیر بعد اس عمارت کو پوری طرح گھیرے میں

لیا جا چکا تھا ___ اب اکرام نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی ___ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی کی شکل نظر آئی:

"جی فرمائیے؟" اس نے کہا۔

"ہمیں اِدخان سے ملنا ہے۔"

"یہاں تو کوئی بُد خان نہیں رہتا۔"

"اچھا تو باجا خان کو اطلاع کر دیں۔"

"اس نام کا بھی کوئی آدمی نہیں رہتا۔"

"لیکن ہم نے ان ناموں کے دونوں آدمیوں کو اندر داخل ہوتے دیکھا ہے۔"

"جی کیا فرمایا؟" اس نے چونک کر کہا۔

"بھئی جاؤ ___ اندر انہیں کہو، سب انسپکٹر اکرام آیا ہے۔"

"کیا کہا؟" اس نے گھبرا کر کہا اور کچھ اور کہے بغیر اندر مڑ گیا ___ ساتھ ہی دروازہ کھٹ سے بند ہونے لگا، لیکن انسپکٹر جمشید نے فوراً دروازے میں پیر اڑا دیا ___

"یہ کیا ___ آپ دروازہ بند کیوں نہیں کرنے دے رہے ہیں؟"

"تاکہ ہمیں کھولنے میں دقت نہ ہو۔"

"لیکن میں دروازہ بند کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"تو نہ جاؤ ___ اکرام پھر گھنٹی بجاؤ۔"

اکرام نے پھر گھنٹی بجا دی ___

"ارے ارے! یہ کیا کر رہے ہیں؟" وہ گھبرا گیا۔

"ہم جانتے ہیں، لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔"

اکرام نے منہ بنایا اور ایک بار پھر گھنٹی بجا دی۔

"م ___ میں جا رہا ہوں۔" اس نے بوکھلا کر کہا اور جانے کے لیے مڑا ___

لیکن اسی وقت وہ بہت زور سے اچھلا اور گھر سے باہر آ گرا ___

آسیب کی آواز

شوکی برادرز کے فون کی گھنٹی بجی:

"آ گیا کیس۔" آفتاب چلّا اُٹھا۔

"بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔" رفعت مسکرائی۔

"معاف کرنا — بلی ہو گی تم — ہاں تم ہمیں بلّے ضرو[ر] کہہ سکتی ہو۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"ایک منٹ! پہلے میں فون سُن لوں۔" شوکی نے جھلّا کر کہا اور ریسیور اُٹھا لیا:

"اسلامُ علیکم! شوکی بات کر رہا ہوں — کیا خدمت کر سکتا ہ[وں]"

"بس دارالحکومت پہنچ جاؤ۔" دوسری طرف سے انسپکٹر کامرا[ن] مرزا کی آواز سنائی دی۔

"ارے! یہ تو انکل کامران مرزا ہیں۔" شوکی چہکا۔

"ہاں! ہوں تو میں ہی۔" وہ بولے۔

"تو کیا آپ دارالحکومت سے بات کر رہے ہیں؟"

"نہیں — اپنے شہر سے — ابھی ابھی انسپکٹر جمشید کا فون آیا ہے — ان کا کہنا ہے — جیرال پھر آ گیا ہے۔"

"جج — جیرال پھر آ گیا ہے — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ مجھے معلوم کرنا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے — تم انسپکٹر جمشید کی مدد کرو گے۔"

"ہم اور ان کی مدد کریں گے — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" شوکی نے کہا۔

"یار اِدھر اُدھر کی نہ ہانکو — اور فوراً روانہ ہو جاؤ — ہم بھی روانہ ہو رہے ہیں۔"

"تو اب ملاقات وہاں ہو گی۔"

"یہ ضروری نہیں — ہم سیدھے وہاں جائیں گے اور جاتے ہی اپنا کام شروع کر دیں گے — بلکہ ہم تو اپنا کام یہیں سے شروع کر کے چلیں گے۔"

"آپ کی آپ جانیں — کیا ہمیں وہاں انکل جمشید پارٹی سے ملنا ہے؟"

"ملاقات ہو جائے تو ٹھیک — نہ ہو سکے تو تم بھی وہاں جا کر اپنا کام شروع کر دینا۔"

"لیکن کیا؟"

"پتا نہیں — لیکن تمھیں اپنا کام شروع کرنا ہو گا۔"

"اچھی بات ہے — ہم پہنچ رہے ہیں — اور دیکھ لیں گے جیرال کو — ارے مگر — انکل وہ تو آپ لوگوں کے ہاتھوں بالکل میرا مطلب ہے سو فی صد مارا گیا تھا — پھر بھلا وہ کیسے زندہ ہو گیا؟"

"میں نے کہا نا — یہ بات مجھے معلوم نہیں — تمھیں کس طرح بتا سکتا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

"تب پھر ہم بھی کیوں نہ یہی بات معلوم کرنے کے چکر میں پڑ جائیں؟"

"اس طرح دو پارٹیاں ایک کام کریں گی اور وقت ضائع ہو گا۔"

"تب پھر — یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کیا شروع کریں۔"

"یہ وہاں جا کر خود معلوم کر لینا — یار تم سمجھتے کیوں نہیں۔"

"تو آپ سمجھاتے کیوں نہیں؟"

"اچھا یہ لو — سمجھا رہا ہوں تمھیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"واہ! سمجھانے کا کتنا خوب صورت طریقہ ہے — آؤ بھئی دارالحکومت چلیں۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن جائیں گے کیسے؟"

"ہوائی جہاز سے — میں ابھی جانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

"ہمارے بنک میں اس وقت صرف نو سو روپے ہیں اور نو سو روپے میں پانچ ٹکٹ تو کیا، ایک بھی نہیں آ سکے گا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے — خیر — اپنے کرنل صاحب، انکل راٹھور — انکل کا شان کب کام آئیں گے — تم لوگ یہیں ٹھہرو — میں یہ کام کر کے آتا ہوں۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دارالحکومت جا رہے تھے — ایر پورٹ سے نکل کر انھوں نے ایک ٹیکسی لی اور انسپکٹر جمشید کے گھر پہنچے — ابھی دستک نہیں دی تھی کہ شوکی چونک اٹھا:

"ہائیں! آفتاب رک جاؤ!"

"پہلی بات تو یہ کہ میرا نام ہائیں آفتاب نہیں ہے — آفتاب احمد ہے۔"

"مان لیا — ابھی دستک نہ دو۔"

"اچھی بات ہے — لیکن ابھی دستک نہ دینے کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہیے۔"

"ہاں! کیوں نہیں — ذرا اس طرف دیکھنا۔"

"کک — کس طرف؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"بھئی انکل کے گھر کے بالکل سامنے — سڑک کے اس پار

"وہ سفید رنگ کا چھوٹا سا مکان ہے نا — اس کی دوسری منزل کی کھڑکی کھلی ہے۔"

"حد ہو گئی — آخر اس سے کیا ہوتا ہے بھائی جان — کیا کسی مکان کی کھڑکی کھلی ہونا بھی کوئی عجیب بات ہے۔"

"یہ عجیب بات اس وقت ہو جاتی ہے — جب اس میں کوئی دوربین فٹ ہو اور اس دوربین سے مسلسل انکل کے گھر کی نگرانی کی جا رہی ہو۔"

"اوہ! ارے ہائیں۔" آفتاب دھک سے رہ گیا۔

"لہٰذا اب ہم اندر بعد میں جائیں گے — پہلے اس مکان تک ہو آئیں — انکل کامران مرزا نے ہمیں کام شروع کرنے کے لیے کہا تھا — یہ نہیں کہا تھا کہ کیا شروع کرنا ہے۔ لہٰذا ہم اپنا کام سفید رنگ کے اس مکان سے شروع کریں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" رفعت پرجوش انداز میں بولی۔

اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے سڑک عبور کر گئے — دروازہ انھیں کھلا نظر آیا — اندر ایک چھوٹی سی سفید رنگ کی کار کھڑی تھی — آفتاب نے گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا — اور ہاتھ رکھے ہی رہا — یہاں تک کہ ایک ہونق سا نوجوان سامنے آ کھڑا ہوا:

"م — میں — میں آ چکا ہوں — اب گھنٹی پر ہاتھ رکھنے کا کوئی فائدہ مزید نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس مکان میں میرے علاوہ اور کوئی انسان نہیں ہے۔" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"بات معقول ہے، لہٰذا میں ہاتھ اٹھا رہا ہوں۔"

"شش — شکریہ!" اس نے سکون کا سانس لیا۔

"آپ کا نام؟" شوکی نے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

"م — میں — یعنی کہ میں..."

"جب آپ کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں رہتا — تو پھر یہ سوال آپ سے نہیں تو اور کس سے کیا ہوگا ہم نے؟"

آفتاب بھنا اٹھا۔

"م — میں سمجھ گیا — آپ نے یہ سوال مجھ سے ہی پوچھا ہے۔" وہ بولا۔

"اوپر والی منزل خالی ہے کیا؟" اچانک اخلاق بول اٹھا۔

"نہیں! میں اوپر والی منزل پر ہی رہتا ہوں — اس لیے کہ نیچے آسیب رہتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"م — مالک مکان نے بتایا تھا کہ میں صرف اوپر رہ سکتا ہوں — اس لیے کہ نچلی منزل اس نے چند آسیبوں کو

کرائے پر دے رکھی ہے۔"

"حد ہو گئی — اب آسیب بھی کرائے پر مکان لے کر رہنے لگے۔" آفتاب بھنّا اٹھا۔

"جی ہاں! ہے نا عجیب بات، لیکن میرے مالکِ مکان نے بتایا تھا کہ اب آسیبوں کو خالی مکان نہیں ملتے۔ جہاں جاتے ہیں — سائنسی آلات کی مدد سے انھیں نکال باہر کیا جاتا ہے — لہٰذا اب انھوں نے بھی مکان کرائے پر لینا شروع کر دیے ہیں۔"

"اچھا بھائی — مان گئے — لینے لگ گئے ہوں گے — آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"آپ نے بتانے کی مہلت ہی کب دی ہے۔"

"چلیے — اب آپ کو مہلت ہی مہلت ہے — بتائیں؟"

"کک — کیا بتاؤں؟"

"حد ہو گئی۔" آفتاب جھلّا اٹھا۔

"یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"کیا کیسے بتا سکتے ہیں؟"

"حد ہو گئی۔" اس نے فوراً کہا۔

"اچھا بابا — مان گئے آپ کو — آپ ہمارے بھی گرو ہیں — اب سیدھی طرح نام بتائیں، ورنہ پولیس کو بلانا ہمارے

بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"ارے باپ رے — پپ — پولیس۔" اس کا رنگ اڑ گیا۔

اس وقت انھوں نے دیکھا — وہ کافی خوب صورت انسان تھا — صاف رنگ، سیاہ بال — بھوری آنکھیں — چہرہ بالکل گول نہ زیادہ لمبا — ستواں ناک — اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بہت شریر ہو۔ جب کہ چہرے سے معصوم سا لگتا تھا اور بے وقوف سا بھی —

"بس ہوا ہو گئی ساری اکڑ فوں۔" شوکی ہنسا۔

"یہ — یہ مجھ پر الزام ہے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"وہ کیسے؟"

"میں نے اکڑ فوں کب دکھائی — کہ وہ ہوا ہو گئی۔"

"خیر نہیں دکھائی ہو گئی — اب مہربانی فرما کر اپنا نام بتائیں، کیونکہ ہم کھڑے کھڑے تھک گئے ہیں۔"

"تو اندر — نہیں — اوپر چل کر بیٹھیے نا۔"

"ہاں! میرا خیال ہے — یہ ٹھیک رہے گا۔" شوکی نے کہا۔

"ضرور آئیے — مجھے خوشی ہو گی۔"

"جب کہ میرا خیال ہے — خوشی نہیں ہو گی۔" شوکی مسکرایا۔

"دیکھا جائے گا — نہیں ہو گی تو نہ سہی۔" اس نے

پہلی بار غصّے میں آتے ہوئے کہا۔

"اوہو — تو آپ کو بھی غصّہ آتا ہے۔"

"بہت کم — کبھی کبھار۔" وہ فوراً ہی مسکرا دیا۔

"یار آپ آدمی ہیں یا گھن چکر — ابھی ابھی غصّے میں آ
آتے تھے — اور ابھی ابھی ہنس دیے ہیں۔"

"شاید اسی کا نام زندگی ہے۔" اس نے عجیب سے انداز
کہا، پھر مڑا اور انھیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اند
داخل ہوتے ہی بائیں طرف انھیں زینہ نظر آیا۔ جونہی وہ
کے نزدیک پہنچے۔ ایک ہولناک آواز نے ان کے ہوش اڑا د

"ارے باپ رے — یہ — یہ کیسی آواز تھی؟"

"آسیب کی۔"

"آسیب کی آواز۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا اور سات
وہ اُٹھ کھڑا ہو گیا —

بیان

"سُنو بھئی — سوال یہ ہے کہ جیرال کیسے زندہ ہو گیا، جبکہ وہ ہم لوگوں کے ہاتھوں مکمل طور پر مارا گیا تھا اور ہم نے کوئی شک نہیں رہنے دیا تھا — یعنی اس کی موت کا سو فی صد یقین کر لیا گیا تھا — اور اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا کہ اب زندگی میں کبھی جیرال سے سامنا ہو گا — لیکن تمہارے انکل جمشید کا سامنا ایک بار پھر جیرال سے ہے — آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

"بھلا ہم کیا بتا سکتے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"عقل سے کام لے کر۔"

"عقل ہو گی تو عقل سے کام لیں گے نا۔" فرحت مسکرائی۔

"چلو تمہارے پاس تو ہے — تم بتا دو۔"

"یہ انشارجہ کی شرارت لگتی ہے — لہٰذا ہمیں اخبارات

دیکھا ہوں گے۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"کہاں کے اخبارات — انشارجہ کے یا یہاں کے؟"

"دونوں جگہ کے۔"

"تو پھر آؤ — یہ کام ہم اپنی لائبریری سے شروع کرتے ہیں۔"

اور وہ لائبریری میں آ گئے — انھوں نے تین چار دن کے اخبارات دیکھنا شروع کیے — نہ جانے اس کام میں انھیں کتنا وقت لگ گیا — آخر آصف کی نظر ایک چھوٹی سی خبر پر پڑی — وہ چونک اٹھا:

"انکل — ذرا آپ اس خبر کو دیکھیے — لگتا تو نہیں کہ ہمارے مسئلے کا تعلق اس خبر سے ہو، لیکن پھر بھی آپ اس کو پڑھ ضرور لیں۔"

"اچھی بات ہے — لاؤ۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنے اخبار سے نظریں ہٹائیں اور اس خبر پر جما دیں — اس وقت تک آفتاب اور فرحت بھی اس خبر کی طرف متوجہ ہو چکے تھے — انھوں نے دیکھا — خبر ان کے اپنے ملک کے اخبار کی تھی اور ان کے ملک کی رسدگاہ کے انچارج کا ایک چھوٹا سا بیان تھا — بیان یہ تھا:

"گزشتہ رات میں نے آسمان سے ایک ستارہ سا گرتے دیکھا — وہ آگ کی مانند روشن تھا، لیکن

جوں جوں وہ نیچے آتا گیا، گول تھال سا بنتا چلا گیا — اور میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی اڑن طشتری تھی — ساتھ ہی میرا دعویٰ ہے کہ وہ انشارجہ کی سرزمین پر کہیں گری ہو گی۔"

"یہ کون سی تاریخ کا اخبار ہے؟"

"نو نومبر کا۔" آصف نے کہا۔

"ٹھیک ہے — نو نومبر کے بعد کے انشارجہ کے تمام اخبارات چھان مارو — وہاں اڑن طشتری گرنے کی خبر ہے یا نہیں۔"

اب انھوں نے یہ کام شروع کیا، لیکن آدھ گھنٹے کی تلاش کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ انشارجہ کے کسی اخبار میں اس تاریخ کے آس پاس کوئی اڑن طشتری گرنے کی خبر نہیں ہے —

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی — کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ کہ انشارجہ کی سرزمین پر کوئی اڑن طشتری گری ہو اور کوئی اخبار اس خبر کو شائع نہ کرے۔"

"ہو سکتا ہے — ہماری رسدگاہ کے انچارج کو دھوکا ہوا ہو — وہ کوئی شہابِ ثاقب ہو۔"

" لیکن شہابِ ثاقب گرنے کی خبر بھی ہمیں نظر نہیں آ
آئی تھیں — ہمیں رسدگاہ جانا ہوگا۔"

وہ اسی وقت دارالحکومت کے لیے روانہ ہو گئے — ا
ایرپورٹ سے اتر کر سیدھے رسدگاہ پہنچے — انچارج کا نا
پروفیسر ارسلان تھا — انھوں نے حیران ہو کر ان کا استق
کیا:

" آپ لوگوں کی یہاں آمد میرے لیے حیرت کا باعث
اور خوشی کا بھی — فرمائیے — میں کیا خدمت کر سکتا ہوں"

" نو نومبر کے اخبارات میں آپ کا ایک بیان شائع ہوا
آپ نے اڑن طشتری کو گرتے دیکھا ہے اور آپ کا دعویٰ
ہے کہ وہ انشادجہ کی سرزمین پر گری تھی۔"

" جی ہاں بالکل! مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

" اس کے بعد آپ نے اس معاملے کی طرف کوئی
دی تھی؟"

" میں نے اگلے روز کے اور اس کے بعد کئی روز کے ا
کے اخبارات چیک کیے تھے — لیکن ان میں اس کی کوئی خبر
نظر نہیں آئی تھی۔"

" پھر اس سے آپ نے کیا اندازہ لگایا تھا؟"

" ایک اندازہ تو یہ تھا کہ وہ اڑن طشتری نہیں، کوئی شہاب

ثاقب تھا، لیکن مشکل یہ ہے کہ انشادجہ کے اخبارات نے شہابِ ثاقب کے گرنے کی بھی خبر نہیں شائع کی تھی — لہٰذا مجھے دوسرا خیال قائم کرنا پڑا۔" وہ بولے۔

" اور وہ دوسرا خیال کیا تھا؟"

" یہ کہ انشادجہ نے اڑن طشتری کے گرنے کی خبر کو چھپا لیا، اخبارات میں نہیں آنے دیا۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے نکلا، پھر وہ چونک کر بولے:

" لیکن پروفیسر صاحب — یہ لوگ تو عام طور پر اڑن طشتریوں کی خبریں اڑاتے رہتے ہیں۔"

" ہاں! لیکن نہ جانے کیوں — اس خبر کو چھپا لیا گیا۔" انھوں نے کسی قدر گھبرا کر کہا۔

" اس کا مطلب ہے — اس بارے میں معلوم کرنے کے لیے ہمیں انشادجہ کا سفر کرنا پڑے گا — ورنہ ہم یہ راز نہیں جان سکیں گے۔"

" یہ آپ جانیں — ویسے ایک بات اور سنیے۔" وہ کوئی خیال آنے پر چونکے۔

" اور وہ کیا؟"

" میں نے اس اڑن طشتری کے گرنے کی فلم بنا لی تھی، اگر آپ دیکھنا چاہیں تو آپ کو دکھا سکتا ہوں۔" انھوں نے

جلدی جلدی کہا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔"

انھوں نے فلم کو غور سے دیکھا، بلکہ کئی بار دیکھا۔ پھر وہ وہاں سے نکل آئے:

"دال میں کچھ کالا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے — پروفیسر ارسلان کچھ چھپا رہے ہیں؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

"ہم نے بھی اس بات کو اچھی طرح محسوس کیا تھا، تب پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"پروفیسر کا فون ٹیپ کرا دیتے ہیں۔" وہ بولے۔

اور پھر انھوں نے اپنی گاڑی میں سے ایکس چینج کو فون کیا۔ تعارف کرانے کے بعد انھوں نے بتایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں — انھوں نے اپنا نمبر بھی انھیں نوٹ کرا دیا — اور کار میں ادھر اُدھر گھومنے لگے، لیکن ایک گھنٹا گزرنے پر بھی کوئی رپورٹ نہ ملی تو وہ پریشان ہو گئے —

"میرا خیال ہے — کچھ گڑبڑ ہے — ہمیں فوری طور پر پروفیسر ارسلان کو چیک کرنا چاہیے۔"

"تو پھر چلیے — میں ان کے لیے پریشانی محسوس کر رہی ہوں۔" فرحت بولی —

وہ اسی وقت رصدگاہ پہنچے — پروفیسر ارسلان پُرسکون انداز میں بیٹھے نظر آئے — اس بار وہ اطلاع دیے بغیر اندر آ گئے تھے —

"آپ لوگ — اور اس طرح؟" وہ ناخوش گوار لہجے میں بولے۔

"مجبوری تھی — ورنہ ہم کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے۔"

"خیر — تشریف رکھیں اور بتائیں، کیا بات ہے؟"

"ہمارا خیال ہے کہ آپ اُڑن طشتری کے بارے میں کچھ چھپا رہے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم — میں — ن — نہیں — تو۔" وہ گڑبڑا گئے — چہرے کا رنگ اڑ گیا —

"پہلے تو میں یہ بتا دوں کہ یہ معاملہ کوئی عام معاملہ نہیں ہے — ہمارا پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ سکتا ہے — لہٰذا اگر آپ کو کچھ معلوم ہے تو فوراً بتا دیں، ملک اور قوم کے حق میں یہی بہتر رہے گا۔"

"مجھے جو معلوم تھا، آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"دیکھیے — ہم جانتے ہیں — آپ وطن سے اور اس قوم سے محبت کرتے ہیں، لیکن ہو سکتا ہے، اس وقت آپ پر کوئی دباؤ ہو اور آپ اس دباؤ کی وجہ سے کچھ بتانے کے قابل

نہ ہوں — کیا یہی بات ہے؟"

پروفیسر ارسلان نے فوراً ان کی طرف دیکھا اور آنکھوں آنکھوں میں کہا:

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اچھا ہم چلتے ہیں — آپ پریشان نہ ہوں۔"

وہ ان سے ہاتھ ملا کر باہر آ گئے —

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے ان کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا:

"خاموش رہو — اور صرف غور کرو۔"

اب وہ کار میں بیٹھ گئے اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ کار میں وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے — انھوں نے پروفیسر ارسلان کی کوئی بات نہ کی — یہاں تک کہ — باتوں باتوں میں انسپکٹر کامران مرزا نے کہا:

"بھئی! اس بھاگ دوڑ نے بھوک لگا دی ہے — کہیں سے کچھ کھا لینا چاہیے۔"

"تو پھر انکل کے گھر کیوں نہ چلیں — آنٹی چند منٹ میں کھانے تیار کر دیتی ہیں۔"

"اس میں شک نہیں — لیکن آج میں کسی ہوٹل میں کھانا

چاہتا ہوں۔"

"تو پھر چلیے۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ ایک ہوٹل میں آ بیٹھے:

"بات دراصل یہ ہے کہ پروفیسر ارسلان جو بات بھی کریں گے — وہ سُن لی جائے گی — اور اس وقت وہ شاید دشمن کی زد پر ہیں — ادھر جب ہم ان کی رسدگاہ میں گئے تھے تو اس وقت ضرور ہماری گاڑی میں بھی آلہ فٹ کر دیا گیا تھا — تاکہ دشمن جان سکے کہ ہم پروفیسر ارسلان کے بارے میں کیا بات چیت کرتے ہیں — اسی لیے میں تم لوگوں کو یہاں لے آیا ہوں۔"

"اگر پروفیسر ارسلان کسی خطرے میں ہیں — تب تو ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔"

"ہاں! ہم ایسا کریں گے، لیکن سلیقے سے — یہاں سے ہم سیدھے ایکسچینج جائیں گے اور پروفیسر ارسلان کے فون پر ہونے والی بات چیت سُنیں گے — جلد یا بدیر آخر دشمن ان سے بات کرے گا — اور صرف اس وقت ہمیں اندازہ ہو سکے گا کہ پروفیسر صاحب کس حالت میں ہیں۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل ٹھیک۔" وہ بولے۔

اور پھر وہ ایکس چینج پہنچ گئے — فوراً ان کے لیے یہ سہولت مہیا کر دی گئی کہ وہ پروفیسر ارسلان کے فون پر ہونے والی بات چیت سن سکیں — ابھی تک کوئی بات چیت نہیں کی گئی تھی — وہ بیٹھے انتظار کرتے رہے :

"میرا خیال ہے — یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔"

"کون سا کام؟" انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"جی — یہی — انتظار کرنا۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی — جلد ہی انھوں نے پروفیسر ارسلان کی آواز سنی :

"ہیلو — پروفیسر ارسلان بات کر رہا ہوں۔"

"اور یہ ہم ہیں آپ کے مہربان — آپ نے انسپکٹر کامران مرزا کو اصل بات نہیں بتائی — اس کے لیے شکریہ قبول فرمائیں۔"

"لل — لیکن میرے بیٹے کو تو چھوڑ دو اب۔" پروفیسر بولے۔

"چھوڑ دیں گے — آپ فکر نہ کریں — بس آپ اپنی زبان بند رکھیں گے، کیونکہ آپ کے گھر میں جو بات بھی ہو گی، وہ ہم سن لیں گے اور اگر آپ نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم پھر آپ کے بیٹے کو اغوا کر لیں گے — ایک گھنٹے تک آپ کا بیٹا آپ کے پاس موجود ہو گا۔"

"اوہ! بہت بہت شکریہ۔"

فون بند کر دیا گیا — انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا :

"اوہ! تو یہ بات ہے۔"

"ہاں! پروفیسر ارسلان اڑن طشتری کے بارے میں کچھ جانتے ہیں — یہ بات دشمنوں کو معلوم ہو گئی — لہٰذا انھوں نے ان کے بیٹے کو اغوا کر لیا اور یہ بات وہ کسی سے نہ کہہ سکے — شاید اس لیے کہ انھوں نے مار ڈالنے کی دھمکی دی ہو گی۔"

"سوال تو یہ ہے کہ ہم ان کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

"بہت کچھ — تم فکر نہ کرو۔" وہ مسکرائے۔

اسی وقت، وہ پھر پروفیسر ارسلان کے ہاں پہنچے — باہر رک کر انھوں نے کاغذ پر کچھ لکھا — اور دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے — انھیں فکر تھا تو یہ کہ کہیں پروفیسر ارسلان انھیں دیکھ کر کچھ بول نہ پڑیں — وہ چاہتے تھے، وہ بالکل خاموش رہیں — لہٰذا کاغذ فرحت کو دیا گیا — باقی لوگ ایک طرف رک گئے — فرحت دبے پاؤں آگے بڑھی — اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھی ہوئی تھی — تاکہ جونہی پروفیسر ارسلان کی نظر اس پر پڑے — وہ کچھ نہ بولیں —

دبے پاؤں چلتی وہ ان تک پہنچ گئی — اسی وقت

انھوں نے اسے دیکھ لیا — ان کا منہ مارے حیرت کے
کھلا رہ گیا — فرحت نے فوراً کاغذ ان کی طرف بڑھا
دیا ، اس پر لکھا تھا :

"آپ بالکل خاموش رہیں گے — ہمیں اپنا کام
نہایت خاموشی سے کرنا ہو گا۔"

پروفیسر سمجھ گئے — انھوں نے چُپ سادھ لی — اور انھوں
نے اپنا کام شروع کر دیا — جلد ہی وہ سیاہ بٹن نما آلہ
تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے — انھوں نے اس کو بے کار
کر دیا ، لیکن ابھی ان کا اطمینان نہیں ہوا تھا — تلاش
جاری رکھی — اس قسم کے تین آلے انھیں مزید ملے اور
تب کہیں جا کر انھیں اطمینان ہوا —

"اب ہم آزادانہ بات چیت کر سکتے ہیں — یوں بھی ایک
گھنٹا ہونے والا ہے — آپ کے بیٹے یہاں پہنچنے ہی والے
ہوں گے۔"

"لیکن آلات ہٹا دیے جانے کی صورت میں وہ بیٹے کو
کیوں بھیجنے لگے۔" پروفیسر بولے۔

"ابھی دشمن کو اس بات کا پتا نہیں چلے گا — جب تک
کہ وہ آپ کے بیٹے کو یہاں نہیں بھیج دیتے ، کیونکہ آپ
اکیلے ہیں — جب یہاں کوئی اور ہو گا اور بات چیت

انھیں سنائی نہیں دے گی ، اس وقت انھیں پتا چلے گا۔"

"اوہ ! یہ ٹھیک ہے۔"

اور پھر دروازے کی گھنٹی بجی — انسپکٹر کامران مرزا نے
اشارہ کیا کہ وہ دروازے پر جا کر دیکھیں — پروفیسر ارسلان
نے دروازہ کھول دیا :

"یہ لیجیے — آپ کا بیٹا — اگر ہماری ہدایات پر عمل نہ کیا
تو انجام بھیانک ہو گا۔"

"اچھا — اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اور انھوں نے دروازہ بند کر لیا ، لیکن چند سیکنڈ بعد
ہی انسپکٹر کامران مرزا باہر نکل گئے —

ادھر پروفیسر ارسلان اپنے بیٹے کو پیار کر رہے تھے —
اس کی عمر دس سال کے قریب تھی :

"یہ — یہ کون لوگ ہیں پاپا ؟"

"یہ دوست ہیں بیٹے۔" پھر وہ ان کی طرف مڑے :

"لیکن انسپکٹر صاحب کہاں چلے گئے ہیں ؟"

"اس کے تعاقب میں — جو آپ کے بیٹے کو لے کر آیا تھا۔"

آفتاب مسکرایا۔

"اوہ !"

"اب آپ جلدی سے ہمیں اصل بات بتا دیں۔"

"تو آپ کیا انسپکٹر صاحب کا انتظار نہیں کریں گے؟"

"نہیں — جس قدر جلد ممکن ہو، بتا دیں — کچھ نہیں کہا
سکتا — اگلے لمحے کیا ہو جائے۔"

"اچھی بات ہے — تو پھر سُنیے — بات دراصل یہ ہے کہ
نے واقعی اُڑن طشتری کو انشارجہ کی سرزمین پر گرتے دیکھا
میں نے اسی وقت وہاں کے سائنس دان ایم برٹن کو
کیا تھا اور اس بارے میں بات کی تھی — اس نے جوا
میں کہا کہ وُہ چیک کرتا ہے — پھر دوسرے دن جب می
نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے کوئی
نہ کی — ہر بار میری آواز سُن کر ہی ریسیور رکھتا رہا — ا
پھر اسی رات میرے بیٹے کو اغوا کر لیا گیا — دراصل انشار
اس اڑن طشتری کے گرنے کو مکمل طور پر راز میں رکھنا
چاہتا ہے — لیکن وہ ایسا کیوں کرنا چاہتا ہے — یہ ہمیں
معلوم نہیں۔"

عین اس لمحے دروازے پر دستک ہوئی، لیکن انداز ا
کامران مرزا کا نہیں تھا —

ہاتھ اُٹھا دو

محمود، فاروق اور فرزانہ زور لگا کر تھک گئے، لیکن خاڈ
گرمانی کے چہرے پر ایک اُپ ثابت نہ کر سکے — آخر محمود
نے کہا:

"ہمیں افسوس ہے — آپ کو بلاوجہ پریشان کیا — ارے
وُہ — وُہ — وُہ کہاں گیا۔" اس کے چہرے پر شدید گھبراہٹ کے
آثار چھا گئے —

"بھئی کیا — کس کی بات کر رہے ہو؟" فاروق نے منہ بنایا

"رومال کی۔" اس نے فوراً کہا۔

"تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"کیا مطلب — یہ اندازہ تم نے کیسے لگایا؟"

"بھئی رومال کو ہم نے ایک خالی کمرے میں ڈال دیا تھا"
فرزانہ جھلّا اُٹھی۔

"اوہو — یہی تو میں کہ رہا ہوں — وہ اب اس کمرے

ہیں نہیں ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو — کیا تم دیوار کے آر پار دیکھنے کے قابل ہو گئے ہو؟"

"نہیں — میری چھٹی حس نے ابھی ابھی مجھے بتایا ہے کہ رومال غائب ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے — وہم ہو گیا ہے بے چارے کو — کمرے کا دروازہ اس وقت سے اب تک جب کسی نے کھولا ہی نہیں تو رومال بھلا کیسے غائب ہو سکتا ہے۔"

محمود نے جیسے سنا ہی نہیں — آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا — ان کی نظریں فرش پر جم گئیں — فرش پر رومال نہیں تھا —

"ہائیں — یہ کیا بھئی — یہ تمہاری چھٹی حس ہے یا کسی نجومی کا پٹارہ۔" فاروق بولا۔

"میں صرف اور صرف رومال کے لیے فکر مند ہوں — آخر وہ بند کمرے سے کس طرح غائب ہو گیا؟"

"رومال سے پوچھیں گے — فکر نہ کرو۔" فاروق مسکرایا۔

"خیر کوئی بات نہیں — اڑا لو مذاق — لیکن بات غور طلب ہے — آخر اندر سے رومال کس طرح غائب ہو گیا — سچ تو یہ ہے کہ مجھے خادم گرمانی صاحب پر شک ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" خادم گرمانی نے چونک کر کہا۔

"کیوں — کیا ہوا؟"

"میں آپ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے رہا ہوں یا شائستہ کے — میں اس دروازے کی طرف ہرگز نہیں آیا، پھر بھلا مجھ پر کیسے شک کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ ہماری مجبوری ہے — اور اصول بھی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم ہر ایک پر ہر حالت میں شک کرنے پر مجبور ہیں، یہ ہمارا اصول ہے — اور ہم اپنے اصول کو چھوڑتے نہیں، سیدھی سی بات ہے کہ اندر ان کے سوا کوئی نہیں آیا — پہلے صرف ہم تھے — آخر رومال کہاں گیا؟"

"ٹھیک ہے — آپ میری تلاشی لے لیں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"شکریہ! یہ ہوئی نا بات — ہم آپ کی تلاشی ضرور لیں گے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"تو کیا رومال اس کمرے سے اڑ کر مجھ تک آ گیا تھا۔"

"یہ ہمیں نہیں پتا — ہم آپ کی تلاشی لیں گے اور بس۔"

"اچھی بات ہے — لیجیے تلاشی۔"

انھوں نے اس کی اچھی طرح تلاشی لی، لیکن رومال نہ مل سکا —

"اب تو آپ کا اطمینان ہو گیا۔"

"نہیں ہوا۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تلاشی پوری نہیں ہو سکی — آپ مہربانی فرما کر ایک بار تلاشی دیں۔"

"لیجیے جناب! ایک بار پھر تلاشی لے لیں — اور مجھے جانے کی اجازت بھی دے دیں۔"

محمود اور فاروق نے ایک بار پھر باریک بینی سے تلاشی لی —

ایسے میں خادم گرمانی نے کہا:

"اگر آپ وہ رومال میرے کپڑوں سے نکال کر دکھا دیں تو میں آپ کو پانچ ہزار روپے انعام دوں گا۔"

"ہمیں انعام کا لالچ نہیں — اگر رومال آپ کے پاس ہم بغیر کسی لالچ کے نکال کر دکھائیں گے۔"

"کوشش کرو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"شائستہ — تمہارے انکل خادم گرمانی نے ہمیں الجھن میں مبتلا کر دیا ہے — کیا یہ اکثر یہاں آتے رہتے ہیں؟"

"نہیں — کئی مہینے میں ایک چکر لگ جاتا ہو گا۔"

"تو پھر بغور ان کی طرف دیکھتی رہو — کیا یہ وہی انکل گرمانی ہیں یا کوئی اور — اور ہم وہ رومال تلاش کرنے کی کوشش

کرتے ہیں۔"

محمود نے جلدی جلدی کہا اور ایک بار پھر دونوں نے اس کی اچھی طرح تلاشی لی، لیکن رومال کہیں نہ ملا۔

"ہم نے خادم گرمانی صاحب کی تلاشی تو لی ہے، لیکن اس کمرے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی — آؤ ذرا ایک نظر کمرے کو بھی دیکھ لیں۔" فرزانہ بولی۔

وہ کمرے میں داخل ہو گئے — اس میں صرف ایک دروازہ تھا — دو کھڑکیاں بھی تھیں، لیکن ان میں سلاخیں لگی تھیں — مطلب یہ کہ کمرے میں صرف دروازے کی طرف سے داخل ہو سکتے تھے — دروازہ تمام وقت ان کے سامنے رہا تھا —

"شاید یہ ہماری زندگی کا حیرت انگیز ترین واقعہ ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"پتا نہیں — ہماری زندگی میں کتنے حیرت انگیز ترین واقعات رونما ہو چکے ہیں — ہم تو ان کو گن بھی نہیں سکتے۔"

"اب ہمیں رومال کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے — پروفیسر انکل کی طرف توجہ دینی چاہیے۔"

"ہوں ٹھیک ہے — اور باقی پانچ ماتحتوں کی طرف بھی۔

صاحب — ہم تو ہسپتال جا رہے ہیں اور شائستہ بھی ہمارے

ساتھ جانا پسند کرے گی — لہٰذا آپ کا کیا پروگرام ہے

"میں اب اپنے گھر جاؤں گا — اپنی کافی بے عزتی
چکا۔" اس نے جھلّا کر کہا۔

"ہم معافی چاہتے ہیں کہ ایسا ہوا ہے، لیکن اس میں
کوئی قصور نہیں۔"

"نہیں ہوگا — میری بے عزتی تو ہوئی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ نیچے کی طرف چلا گیا — جاتے وقت اس
انھیں ایک نظر بھی نہیں دیکھا —

اب وہ ہسپتال پہنچے — پروفیسر صاحب اور ان کے ماتحت
کے تو بے ہوش تھے — ڈاکٹروں کی فوج انھیں ہوش
لانے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی —

وہ باہر آگئے — اب انھوں نے گھر فون کیا :

"السلام علیکم امّی جان — انکل تو نہیں پہنچے ابھی تک؟"

"نہیں — نہ شوکی برادرز آئے ہیں ابھی تک — تمھارے ابا
کو کسی جگہ جانا پڑ گیا ہے اچانک۔"

"اوہ اچھا — ہم پھر فون کریں گے۔" یہ کہہ کر اس
ریسیور رکھ دیا —

"ایک بات قابلِ غور ہے۔" ایسے میں فرزانہ بولی۔

"شکر ہے — کوئی ایک بات تو قابلِ غور نکلی — اب

بھی بتا دو، وہ کیا ہے؟"

"یہ کہ جیرال نے اس رومال کو ہمارے گھر میں جان بوجھ
کر گرا دیا تھا — تاکہ اس رومال کو دیکھتے ہی ابا جان یا
پروفیسر انکل چونک اٹھیں اور فوری طور پر رومال کو تجربہ گاہ
بھیج دیا جائے — جیرال جانتا تھا کہ جب پروفیسر صاحب رومال
کو لے کر سفر کریں گے اور تجربہ گاہ جائیں گے تو اس
کا اثر ان پر ہو جائے گا اور تجربہ گاہ پہنچتے ہی وہ
بے ہوش ہو جائیں گے — اس طرح پریشان ہو کر ہم ان
کے اسسٹنٹوں کو بلائیں گے — وہ بھی بے ہوش ہو جائیں گے،
چنانچہ یہی ہوا — سوال یہ ہے کہ جیرال ایسا کیوں چاہتا
تھا؟ کیا صرف اس لیے کہ ہم الجھ کر رہ جائیں اور جیرال
جو پروگرام لے کر آیا ہے — ہم اس پروگرام کے بارے
میں سوچ بھی نہ سکیں — اب تک یہی ہوا ہے — ادھر ابا
جان کو کسی اور طرف الجھا دیا گیا ہے — گویا ہم جیرال کی
ذہنی جنگ کی لپیٹ میں پوری طرح آ چکے ہیں — لیکن سب
سے زیادہ پریشانی والی بات یہ ہے کہ اس وقت تجربہ گاہ
کے اندر کوئی بھی نہیں ہے — باہر والے پہرے دار
ضرور موجود ہیں، لیکن وہ اندر کے کسی معاملے میں دخل
نہیں دیتے — صرف باہر رہتے ہیں — سوال یہ ہے، ہم

اب کیا کریں؟"

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سازش کے ذریعے تجر
گاہ کو اندر سے خالی کرا لیا گیا ہے — تمام اہم لوگوں کو
ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے — اور اب ان کے لیے میدان صاف
ہے۔" فاروق بولا۔

"اُف مالک — ہمیں فوری طور پر تجربہ گاہ پہنچ جانا چاہیے"
محمود نے کانپ کر کہا۔

دُوسرے ہی لمحے وُہ اپنی کار میں تجربہ گاہ کی طرف
جا رہے تھے — دروازے پر پہنچ کر ہی محمود نے بریک لگائے
اور پھر نگرانوں کی طرف لپکے:

"اس طرف کوئی آیا تو نہیں؟"

"آپ کے والد صاحب آئے تھے — اندر ہی ہیں۔"

"بہت خوب — جلدی کریں — دروازہ کھول دیں۔"

نگرانوں نے دروازہ کھول دیا — وُہ اندر جانے لگے، لیکن
فرزانہ نے انھیں رُکنے کا اشارہ کیا:

"آپ کو کیا پتا — ہم اصلی ہیں یا نقلی — آپ نے ہمیں چیک
کیوں نہیں کیا — کم از کم آپ ہم سے ہمارے کارڈ تو
طلب کر ہی سکتے ہیں۔"

"اوہ! لیکن یہاں جانے پہچانے لوگوں کے سوا کون

آتا ہے۔" ایک نے کہا۔

"آپ سمجھے نہیں — آپ کو کیا پتا — اندر ہمارے والد صاحب
ہیں یا ان کے میک اپ میں کوئی اور — ہم واقعی آپ کے
سامنے ہیں یا ہمارے میک اپ میں کوئی اور ہے۔"

"اوہ ہاں! ہمیں اس قسم کی ہدایات نہیں ہیں۔" دوسرے
نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — پہلے تو آپ اپنے کاغذات ہمیں
دکھائیں نا — اور فاروق — تم انکل اکرام کو فون کرو — ذرا
جلدی — میں خطرے کی بُو محسوس کر رہا ہوں۔"

"او کے۔" فاروق نے کہا اور گاڑی کی طرف گھوم گیا۔

"ہمارے کاغذات — اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"اس کی ضرورت ہے — ذرا جلدی کریں۔"

"نہیں! ہم آپ کو اپنے کاغذات نہیں دکھائیں گے، ہم
آپ کے ماتحت نہیں ہیں۔"

"اوہو اچھا — یہ بات ہے۔"

محمود نے کہا اور جیب سے اپنا پستول بلا کی تیزی سے
نکال لیا — اس سے پہلے کہ وہ اپنی رائفلوں کو ان کی طرف
تانتے — اس کا پستول ان کی طرف تن گیا —

"فرزانہ جلدی کرو — اندر پہنچ جاؤ — اندر کوئی ضرور نقلی

آدمی ہے۔"

"ارے باپ رے......" فرزانہ نے کہا اور اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ہاتھ اوپر اُٹھا دو دوستو...... ورنہ تم ہمارے نشانے سے تو واقف ہو گے۔"

وہ خاموش رہے...... بس مسکراتے رہے...... جیسے بچوں کی شرارتوں پر بڑے مسکراتے ہیں۔

اسی وقت فاروق فون کر کے لوٹا......

"فاروق...... تم فرزانہ کی مدد کے لئے اندر جاؤ۔"

"لیکن تم یہاں اکیلے ہو...... ان چار کے مقابلے میں ...... اور یہ ہاتھ بھی نہیں اُٹھا رہے ...... گویا تمہیں اور تمہارے پستول کو یہ کوئی لفٹ نہیں کرا رہے...... کیا ان حالات میں، میں اندر جاؤں۔"

"ہاں جاؤ...... جب یہ کوئی حرکت کریں گے، میں دیکھ لوں گا۔"

"اچھی بات ہے...... جیسے تمہاری مرضی......"

فاروق نے بھی اندر کی طرف دوڑ لگا دی......

"بس ٹھیک ہے...... اب دروازہ باہر سے بند کر دو۔" ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

محمود نے چونک کر دیکھا...... اس سے کچھ فاصلے پر ایک

درخت کی اوٹ میں کوئی کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں کلاشن کوف تھی۔

"یس سر۔" ان چار میں سے ایک نے کہا۔

محمود چکرا کر رہ گیا۔ وہ اگر ان چار پر فائر کرتا تو کلاشن کوف والا اس پر فائر کرتا۔ جب کہ وہ خود مکمل طور پر درخت کی اوٹ میں تھا۔ اور اس کی آواز سننے سے پہلے اس کی موجودگی کا انہیں احساس تک نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ ساکت رہ گیا۔ ادھر دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا:

"اب تم اپنا یہ ننھا سا پستول نیچے گرا دو دوست، کیونکہ [illegible] جیرال کی عقل کو نہیں پہنچ سکتے۔ وہ ہر بات کی پہلے سے منصوبہ بندی کر لیتے ہیں۔ یہ ساری منصوبہ بندی ان کی [illegible]ا ہے۔"

محمود نے کچھ کہے بغیر پستول گرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی [illegible]ا کے سر پر کوئی وزنی چیز لگی۔ اس کا سر بہت زور [illegible] چکرایا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس کے ذہن [illegible] یہ خیال کوندا تھا۔ کہ نہ جانے اندر فاروق اور فرزانہ [illegible] کیا بیتی ہو گی۔

غیر قانونی مار

باہر آ کر گرنے والا شخص خود نہیں آ کر گرا تھا، اسے کسی نے اُٹھا کر باہر پھینک دیا تھا — ساتھ ہی پھینکنے والے نے کہا:

"ہمیں ایسے نالائق ملازم کی ضرورت نہیں جس کے ہوتے ہوتے بار بار گھنٹی بجائی جاتی رہے — دفع ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی کہنے والا واپس مُڑا — گویا اسے اس بات کی پروا تک نہیں تھی کہ گھنٹی کون بجا رہا ہے — نہ اس نے دروازہ بند کیا — انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — اندر داخل ہو گئے — ان کے ساتھ ہی اکرام اندر داخل ہو گیا — ان کے قدموں کی آواز سُن کر مُلازم کو باہر پھینکنے والا مُڑا اور خونخوار انداز میں ان کی طرف دیکھا، لیکن پھر فوراً ہی اسے سانپ سونگھ گیا — چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور جسم میں گویا تھرتھری دوڑتی نظر آئی —

"ہیلو ٹمو — کیسے ہو؟" اکرام مسکرایا۔

"سر آپ — اور آپ کے ساتھ انسپکٹر صاحب۔"

"ہاں — باقی چار کہاں ہیں؟"

"اندر ہی ہیں — آئیے — لیکن آپ نے کیوں زحمت کی، ہمیں بلوا لیا ہوتا۔" اس نے جلدی جلدی کہا اور آگے بڑھا۔

اندر ایک کمرے میں اس کے چار ساتھی بیٹھے تاش کھیلتے نظر آئے اور ایک شخص رسیوں سے بندھا ان کے پاس پڑا تھا، وہ بے چارہ ہوش میں تھا اور اِدھر اُدھر لڑھک رہا تھا — انہیں دیکھ کر ان کے ہاتھوں سے تاش کے پتے گر گئے —

"کیا یہ صولت بیگ ہے؟"

"ہاں سر — اس کا نام یہی ہے۔"

"تم نے اسے کیوں اغوا کیا؟"

"ایک پارٹی ان صاحب کو اس دُنیا سے مٹا دینا چاہتی ہے، ان کی بیوی کو اس پارٹی نے پہلے ہی ہلاک کر دیا تھا — ہمیں وہاں پہنچنے کی ہدایات ملی تھیں — جب ہم پہنچے تو بیوی قتل ہو چکی تھی — اور یہ حضرت اس کی لاش کے پاس بیٹھے رو رہے تھے، لہٰذا ہم اسے اُٹھا لائے۔"

"بھی جھوٹ نہ بولو — تم اسے اغوا کر کے لا رہے تھے ان کی بیوی کے فون کرنے کی آواز سُنی — لہٰذا تم نے

اس کی بیوی کو وہیں ڈھیر کر دیا اور اسے اٹھا لائے۔
کیوں یہی بات ہے نا؟

"چلیے اسی طرح ہو گی بات۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔
ہمیں تو اس شخص نے گارنٹی دی ہے کہ ہمارا بال بھی بیکا
نہیں ہو سکتا۔ اور بات ہے بھی یہی۔ سمجھیے۔ ہم اقرار
کرتے ہیں۔ صولت بیگ کی بیوی کو ہم نے ہلاک کیا
اور اسے ہم نے اغوا کیا ہے۔ آپ ہمارا کیا بگاڑ لیں
گے" ٹیپو نے جلدی جلدی کہا۔

"اکرام۔ یہ تو بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے لگے۔
فون کرو اپنے ماتحتوں کو"

"او کے سر"

"ضرور کریں فون۔ اِدھر آپ ہمیں گرفتار کریں گے، اُدھر
ہماری رہائی کے آرڈر آپ کو مل جائیں گے"

"میرے بے وقوف مجرمو۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ کسی
نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اس کا نام بتا دو"

"افسوس! ہم نہیں بتائیں گے کسی کا نام۔ یہی تو اس کی شرط
ہے۔ اگر ہم نے اس کا نام نہ بتایا تو وہ ہم پر آنچ نہیں آنے
دے گا"

"بہت خوب! اب تو ہم نام پوچھ کر رہیں گے"

ادھر اکرام فون کر رہا تھا۔

"ارے ارے، آپ فون نہیں کر سکتے" ان الفاظ کے ساتھ
ہی وہ پانچوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"اکرام تم فون کرتے رہو۔ میں انہیں روکتا ہوں"

"یس سر" اس نے پُرسکون انداز میں کہا۔

وہ بیک وقت ان پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن ایک منٹ
بعد وہ پانچوں زمین پر لیٹے نظر آئے۔

"اس بات کو لکھ لیں۔ آپ ہمیں اندر نہیں رکھ سکیں گے"

"اچھا۔ کیا واقعی" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! یہ ہمارا دعویٰ ہے"

اسی وقت اکرام ان کی طرف پلٹا۔

"اب اس شریف آدمی کو کھول دو۔ بے چارے کا منہ
کس بُری طرح بند کر رکھا ہے ان ظالموں نے"

اکرام نے فوراً اسے کھول دیا۔

"کیا آپ کا نام صولت بیگ ہے؟"

"جی۔ جی ہاں! آپ کا یہ احسان مجھے زندگی بھر یاد
رہے گا"

"یہ احسان نہیں۔ ہماری ڈیوٹی ہے۔ لیکن یہ چکر کیا ہے؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا"

"کیا ان لوگوں نے اغوا کرنے کے بعد آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا؟"

"نہیں — ابھی تک انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔"

"ٹھیک ہے — آپ سے دفتر چل کر بات ہو گی۔"

پھر اکرام کے ماتحت وہاں پہنچ گئے — انسپکٹر جمشید نے ان کے بارے میں انھیں ہدایات دیں اور پھر صولت بیگ کو لے کر دفتر کی طرف روانہ ہوئے —

اپنے دفتر میں اسے کرسی پر بٹھا کر انھوں نے پوچھا:

"ہاں! اب بتائیں — کیا معاملہ ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں — مجھے کچھ معلوم نہیں — نہ ان لوگوں نے مجھ سے کچھ کہا۔"

"کیا آپ جانتے ہیں — ان لوگوں نے آپ کی بیوی کو ہلاک کر دیا ہے؟"

"ہاں! جانتا ہوں — رو رو کر میری آنکھیں اب تو خشک ہو چکی ہیں۔" اس نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"کیا آپ کے پاس کوئی قیمتی دستاویز ہے؟"

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آپ اخبارات میں اپنے ملک اور اپنی قوم کی محبت میں بہت کچھ لکھتے رہتے ہیں — ملک دشمنوں لوگوں کے خلاف

لکھتے رہتے ہیں — کیا یہ کسی ملک دشمن کا کام ہو سکتا ہے؟"

"بات ہی یہ ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"بہت خوب! آپ کا اب اپنے گھر جانا خطرناک ہو گا — ہم آپ کو کسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا دیں گے — آپ کے آرام کا خاص خیال رکھا جائے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کہا۔

انھوں نے اپنے عملے کو اس کے بارے میں ہدایات دیں اور پھر اپنے ایک خفیہ اڈے پر پہنچے، وہاں وہ پانچوں بندھے پڑے تھے:

"کیوں دوستو — کیا حال ہے — ابھی تک تمھاری رہائی کے آرڈر تو مجھے نہیں ملے۔"

"یہ سب کیا ہے — اگر ہم نے کوئی جرم کیا ہے تو آپ ہمیں عدالت میں پیش کریں — ہمارا چالان کریں — ہمیں حوالات میں رکھیں — یہ آپ ہمیں کہاں لے آئے ہیں؟"

"تم بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے — میں نے سوچا، اگر حوالات میں رکھا تو کہیں واقعی کسی وزیر یا صدر کا فون آ جائے — اور میں پریشانی کا شکار نہ ہو جاؤں — لہٰذا اس سے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میں تم لوگوں کو پرائیویٹ طور پر قید کر دوں۔"

"لیکن یہ غیر قانونی ہے۔"

"اور کیا تم لوگ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ہوتے۔" انسپکٹر جمشید طنزیہ انداز میں بولے ، ساتھ میں مسکرائے۔

وہ لگے اِدھر اُدھر دیکھنے :

"اِدھر اُدھر دیکھ کر کام نہیں چلے گا ۔ یہ بتانا ہوگا تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اور تم لوگوں کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ صولت بیگم کو کیوں اغوا کیا گیا ۔ اس کی بیوی کو مار ڈالنے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟"

"نہیں بتائیں گے ۔ کچھ بھی نہیں۔" ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

"ان لوگوں کی تھوڑی سی مرمت کی ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اکرام کی طرف دیکھا۔

"او کے سر۔" اکرام نے کہا اور پانچ ماتحتوں کو اشارہ کیا ، انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ ایک ساتھ چلائے :

"یہ سب غیر قانونی ہے۔"

"جو لوگ خود غیر قانونی کام کرتے ہیں ، میں ان لوگوں کو غیر قانونی مار ہی مارتا ہوں۔"

اور پھر ان کی مرمت ہونے لگی ۔ وہ چیختے چلاتے رہے یہاں تک کہ ان کے اچھی طرح کس بل نکل گئے :

"ذرا ٹھہرو بھئی ۔ اب ان کے مزاج پوچھ لیتے ہیں۔"

مرمت کرنے والے رک گئے ۔

"اب کیا کہتے ہو؟"

"اس ظلم کا بدلہ آپ سے لیا جائے گا۔"

"پھر وہی بڑھ چڑھ کر باتیں ۔ ہوش کے ناخن لو ۔ تم ایسی جگہ ہو ۔ جہاں تمہارے سفارشی کا کوئی سراغ رساں تک نہیں پہنچ سکے گا ۔ اور تم یہیں سسک سسک کر مر جاؤ گے ۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا ۔ تم جیسے مجرموں سے میں یہی کچھ کرتا ہوں۔"

"لیکن اس کا انجام بہت خوفناک ہوگا ۔ ہمارا آدمی آپ کو بھی نہیں جینے دے گا ، کیونکہ ہم نے اسے ایک بات بتا دی ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ اگر کبھی ہم غائب ہوئے تو انسپکٹر جمشید سے ہمارے بارے میں پوچھا جائے۔"

"کوئی پروا نہیں ۔ اس طرح وہ خود سامنے آجائے گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

"جی نہیں ___ خوش فہمی ہے آپ کی ___ وہ سامنے آئے بغیر آپ سے پوچھے گا ___ بلکہ اب تک تو وہ پوچھنے کی تیاری کر بھی چکا ہوگا ___ کیونکہ صولت بیگ کے بارے میں وہ ہر آدھ گھنٹے بعد فون کر رہا تھا ___ اور اس بار جب اس نے فون کیا ہوگا تو ہماری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا ہوگا ___ لہٰذا وہ حرکت میں آ چکا ہوگا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ حرکت میں آ جائے ___ کیا تم پہلے بھی اس کے لیے کام کرتے رہے ہو؟"

"ہاں! بالکل۔" وہ بولے۔

"اس آدمی کے بارے میں جانتے ہو جس کے لیے کام کر رہے ہو ___ جلدی بتا دو، ورنہ بجلی کے جھٹکے دیے جائیں گے۔"

"ہاں! جانتے ہیں، لیکن اگر ہم نے اس کا نام بتا دیا تو پھر ہم تو مارے گئے بے موت ___ اس صورت میں وہ ہمارے کام نہیں آ سکے گا۔"

"اور نام ہم جان کر رہیں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"لگاؤ بھئی ___ بجلی کے جھٹکے ___ جب تک یہ اس کا نام نہیں بتا دیتے ___ جھٹکے لگاتے رہو ___ یہ مرتے ہیں تو مر جائیں اس لیے کہ انھوں نے صولت بیگ کی بیوی کو موت کے

گھاٹ اتارا ہے ___ اس جرم کا بدلہ تو انھیں ملنا ہے آخر۔"

"او کے سر۔"

اور پھر ان کی چیخیں آسمان سر پر اٹھانے لگیں۔ ایسے میں فون کی گھنٹی بجی ___

انسپکٹر جمشید زور سے چونکے، کیونکہ اس جگہ کے بارے میں ان کے علاوہ صرف ایک آدمی کو معلوم تھا ___

سو فیصد غلطی

"یہ ۔۔۔ یہ ۔۔۔ یہ کیا ۔۔۔ آفتاب! تم اُلٹے کھڑے ہو گئے۔
یہ کیا مذاق ہے؟"

"یہ مذاق میں نہیں ۔۔۔ آسیب کر رہا ہے۔" اس نے کانپ
کر کہا۔

"گگ ۔۔۔ کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"مم ۔۔۔ مجھے آسیب نے پکڑ کر اُلٹا کر دیا ہے۔"

"یار کیوں مذاق کر رہے ہو۔" شوکی نے ڈرے ڈرے انداز
میں کہا۔

"اُلٹی حالت میں بھلا میں کیونکر مذاق کر سکتا ہوں، اس
وقت تو مذاق بھی اُلٹا لگے گا۔"

"میں نے کہا تھا نا ۔۔۔ اس عمارت میں نچلی منزل میں آسیب
کرائے پر رہتے ہیں۔"

"یار اب اس مذاق کو بند کرو ۔۔۔ اور سیدھے ہو جاؤ۔" شوکی

نے گھبرا کر کہا۔

"کک ۔۔۔ کیسے ہو جاؤں ۔۔۔ یہ مجھے ہونے نہیں دے رہا۔"

"حد ہو گئی ۔۔۔ او بھائی صاحب ۔۔۔ نامعلوم صاحب ۔۔۔ آپ
ہی کچھ کریں نا۔"

"اچھی بات ہے ۔۔۔ ابھی لیجیے۔" اس نے فوراً کہا۔

"اور لیں کیا؟"

"میرا مطلب ہے ۔۔۔ ایک منٹ کے لیے ٹھہریے ۔۔۔ میں آسیب
صاحب سے بات کرتا ہوں۔"

"ارے! آپ نے آسیب کے ساتھ صاحب لگا دیا۔"

"ہاں! تاکہ وہ جلد میری بات سُن لیں ۔۔۔ بھائی آسیب صاحب!
یہ لوگ میرے مہمان ہیں اور میں انہیں اپنے والے حصے
میں لے جا رہا ہوں ۔۔۔ یہ آپ کے کسی معاملے میں رکاوٹ
ڈالنے کے لیے نہیں آئے ۔۔۔ آپ اپنی عبادت کریں۔"

"عبادت ۔۔۔ کیا مطلب؟"

"یہ دراصل ایک جن ہیں ۔۔۔ ان کے بیوی بچے بھی ان کے
ساتھ ہیں ۔۔۔ یہاں رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔" اس
نے بتایا۔

"جن اور اللہ کی عبادت؟"

"ہاں کیوں ۔۔۔ جنوں کا وجود تو قرآن سے ثابت ہے ۔۔۔

اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر جب سورۂ رحم
نازل ہوئی اور یہ الفاظ اُترے کہ تم دونوں کے دون
کب تک اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ــــ تو اس میں
دوسرے مخاطب جنّ ہی ہیں ــــ اور جنوں نے فوراً ان
الفاظ کا جواب دیا تھا کہ اے اللہ ہم کبھی بھی نہیں جھٹ
سکتے ــــ ان کے الفاظ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سُ
تو فرمایا تھا کہ جنّ آج تم سے بڑھ گئے ــــ اسی طرح
خانۂ کعبہ میں مسجدِ جنّ موجود ہے ــــ اس مسجد میں بھی نماز
جنوں نے قرآن سُنا تھا ــــ لہٰذا جنّ لوگ عبادت کیوں نہیں
کر سکتے۔"

"مان گئے آپ کو ــــ آپ تو اچھے خاصے مولوی ہیں۔"

"نہیں ــــ میں مولوی نہیں ہوں ــــ مولوی تو اگر صحیح معنوں
میں مولوی ہو تو بڑی چیز ہوتا ہے، لیکن آج کل جھوٹے مولا
زیادہ اور سچے بہت کم ملتے ہیں۔"

"ارے! یہ ہم کس بحث میں پڑ گئے ــــ ہم تو یہاں آپ
سے دو دو باتیں کرنے آئے تھے ــــ اور ساتھ میں آپ
کا نام بھی جاننا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ــــ پہلے تعارف ہو جائے ــــ میں ٹی ایس ایم
ہوں۔"

"کیا فرمایا ــــ ٹی ایس ایم ــــ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی کلاگو
کمپنی کا نام ہو ــــ جیسے ٹی سی ایس ــــ ایس ایس ٹی۔" شوکی نے
منہ بنایا ــــ

"آپ کو اس سے کیا ــــ بس ہوں میں ٹی ایس ایم۔"

"ہوں گے ــــ لیکن ان حروف سے آخر کیا نام بنتا ہے؟"

"ٹی ایس ملک۔"

"یہ بھی پورا نام نہیں بنتا ــــ پورا نام بتائیے۔"

"چلیے میں آپ کی آسانی کے لیے تھوڑا سا فرق اور
ڈال دیتا ہوں ــــ میرا نام طاہر ایس ایم ہے۔"

"آپ پورا ہی فرق کیوں نہیں ڈال دیتے ــــ آپ اپنا پورا
نام بتا دیجیے۔"

"میں یہی کہلوانا پسند کرتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے ــــ ہم فی الحال اسی نام سے گزارا کر
لیتے ہیں ــــ اب بتائیں ــــ آپ نے یہ آسیب والا مکان کب
سے اپنے پر لیا؟"

"چند روز پہلے ہی سمجھ لیں۔"

"اور آپ انکل جمشید کے گھر کی نگرانی کر رہے تھے۔"

"ن ــــ نہیں ــــ نہیں تو۔"

"گڑبڑانے کی ضرورت نہیں ــــ آپ کچھ نہیں چھپا سکیں گے،

صاف صاف بتا دیں — آخر ان کی نگرانی کی آپ کو کیا ضرورت
پیش آ گئی؟"

"آپ اسے میرا شوق کہہ لیں۔"

"تب یہ بہت خطرناک شوق ہے — آپ جیل جا سکتے ہیں۔"

"لیکن آپ کو بھی ایک بات معلوم نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"اور وہ کیا؟"

"شوق دا کوئی مُل نہیں ہوندا۔" اس نے پنجابی میں کہا۔

"کیا کہا — میں پنجابی ذرا مشکل سے سمجھتا ہوں۔"

"شوق انمول ہوتا ہے۔"

"ہو گا — انسپکٹر جمشید کی نگرانی کرنے کا مطلب صرف اور
صرف یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان کے کسی دشمن کے ایجنٹ
ہیں — اور اس کے حکم پر نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ن — نہیں — نہیں — یہ بات نہیں ہے — اتنا خوفناک
مطلب نہ نکالیں۔" ٹی ایس ایم نے کانپ کر کہا۔

"اچھا جناب ٹی ایس ملک صاحب — آپ کو ہم انکل کے
سامنے پیش کریں گے — آپ کے بارے میں فیصلہ وہی
کریں گے — ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

"لیکن اس وقت انسپکٹر صاحب گھر میں نہیں ہیں — نہ
ان کے تینوں بچے — صرف بیگم جمشید موجود ہیں۔"

"اوہ! اس قدر معلومات ہیں آپ کو — خیر — پھر بھی آپ
کو چلنا ہو گا ہمارے ساتھ — ورنہ آپ تو ہو جائیں گے فرار
اور ہماری آئے گی مصیبت۔"

"ایسی کوئی بات نہیں — میں کیوں ہونے لگا فرار — خیر
میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا — بہتر تھا کہ آپ اپنا پورا نام
بتا دیتے۔"

"سوری! میں بہت کم لوگوں کو اپنا پورا نام بتاتا ہوں۔"

"کیوں — کیا بہت خوفناک نام ہے — لوگ سن کر ڈر
جاتے ہیں؟" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"نہیں — ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

آخر وہ اسے ساتھ لے نیچے اُترے:

"جنّ بھائی — ذرا میرے اوپر والے حصے کا خیال رکھنا،
یہ لوگ مجھے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

ایک بار پھر خوفناک آواز گونجی — وہ کانپ کر رہ گئے:

"نہیں — نہیں — اس کی ضرورت نہیں — یہ اپنے دوست
ہیں۔" ٹی ایس ایم نے کہا۔

"کیا مطلب — کیا جنّ صاحب نے کچھ کہا ہے؟" آفتاب لرز گیا۔

"ہاں! یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ لوگ زبردستی مجھے لے

جا رہے ہیں تو وہ دخل اندازی کرے ۔۔۔ میں نے انھیں روک
دیا ہے ۔۔۔ ورنہ ابھی آپ لوگ اُلٹے نظر آتے ، کیونکہ یہ جن
دوستوں کے بہت دوست اور دشمنوں کے بہت دشمن ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

وہ گھر سے نکل کر انسپکٹر جمشید کے دروازے پر آئے۔
آفتاب نے دستک دی ۔۔۔ ایسے میں شوکی کی نظر پھر دوربین پر
پڑی ۔۔۔ وہ قدرے حرکت کر رہی تھی :

"ارے بھئی ۔۔۔ وہ ڈی پی ایس صاحب۔"

"ایک منٹ ۔۔۔ میں ڈی پی ایس نہیں ۔۔۔ ٹی ایس ملک ہوں۔"
اس نے جھلّا کر کہا۔

"تو ایسا نام رکھنے کی ضرورت کیا تھی؟" اشفاق نے جل کر کہا۔

"اب تو رکھا گیا ۔۔۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے بے چارگی کے
عالم میں کہا۔

"خیر خیر ۔۔۔ میں کہہ رہا تھا کہ آپ کی دوربین حرکت کر رہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں ۔۔۔ میرے جن دوست یہ دیکھ رہے ہیں کہ
کہیں میرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی۔"

"تب تو آپ بہت خطرناک ہیں۔"

"اتنا بھی نہیں ۔۔۔ اس لیے کہ مشکل یہ ہے کہ یہ جن حضرات
اس مکان سے دور کہیں نہیں جاتے ۔۔۔ اگر یہ ہر وقت میرے

ساتھ ساتھ رہیں ۔۔۔ جہاں میں جاؤں ۔۔۔ وہاں یہ بھی ساتھ جائیں
تو ایک بات بھی ہے۔"

عین اس وقت دروازہ کھل گیا :

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام ۔۔۔ میں پہلے ہی جان گئی تھی کہ گھنٹی آفتاب
نے بجائی ہے۔"

"شکریہ آنٹی۔"

"ارے ! یہ چھٹا تم لوگوں کے ساتھ کون ہے؟"

"آپ کے مجرم۔"

"ہم ۔۔۔ میرے مجرم ۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

"یہ ٹی سی ایس ہیں۔"

"جی نہیں ۔۔۔ میں ٹی سی ایس نہیں ۔۔۔ ٹی ایس ملک ہوں۔" وہ
جھلّا اٹھا۔

"کیا ہیں؟" بیگم جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"ٹی ایس ملک۔"

"گویا یہ نام ہے آپ کا ۔۔۔ اور پورا نام کیا ہے آپ کا؟"

"بس ۔۔۔ اسی نام سے ہی گزارا کر لیں۔"

"اور مزے کی بات یہ ہے آنٹی ۔۔۔ یہ حضرت آپ کے گھر
کی نگرانی کر رہے تھے ۔۔۔ انھیں یہ تک معلوم ہے کہ اس

وقت آپ گھر میں اکیلی ہیں۔"

"اوہ اچھا — پھر تو یہ حضرت خطرناک ہیں۔" وہ گھبرا گئیں۔

"نن — نہیں آنٹی — میں خطرناک وطرناک ہرگز نہیں ہوں، خاص طور پر آپ لوگوں کے لیے، آپ لوگوں کا تو میں دوست ہوں۔"

"یہ کیسی دوستی ہے — کہ دوربین ہمارے گھر کے سامنے فٹ کر رکھی ہے۔"

"آپ کے دشمنوں کا ریکارڈ رکھنے کے لیے۔" اس نے کہا۔

"ہمارے دشمنوں کا ریکارڈ — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے ایک رجسٹر میں تمام باتیں درج کی ہیں — کچھ وقت پہلے جب وہ خوفناک آدمی آیا تھا — جس کے ساتھ ایک پیاری سی بچی تھی — تو اس وقت میں نے ان کی نقل و حرکت لکھی تھی۔"

"اوہ! وہ رجسٹر کہاں ہے؟"

"میرے آسیب والے مکان میں۔" اس نے کہا۔

"اوہو — کیا ہر ایک مرتبہ یہ بات بتانا ضروری ہے۔" آفتاب نے جلا کر کہا۔

"اگر بتا دیا تو کیا جرم کیا ہے۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"کیا مطلب — آپ والا مکان — آپ کا مطلب ہے — وہ

سامنے والا مکان — کیا آپ نے وہ سفید رنگ کا مکان کرائے پر لیا ہے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! کیا آپ اس مکان کے بارے میں جانتی ہیں؟"

"ہاں — کیوں نہیں — وہ واقعی آسیب زدہ ہے۔"

"لیکن صرف نیچے والی منزل — اوپر والی نہیں — اور جب سے میں نے یہ مکان کرائے پر لیا ہے — میرے حالات بہت اچھے ہو گئے ہیں — جن میرا دوست بن گیا ہے۔"

"لیکن اس سے پہلے تو سنا ہے، وہ لوگوں کو تنگ کرتا تھا۔"

"یہ جن لوگ غلط لوگوں کو تنگ کرتے ہیں — اچھے لوگوں کو نہیں۔" اس نے کہا۔

"بھائی صاحب اپنے منہ میاں مٹھو بن رہے ہیں۔" اشفاق نے منہ بنایا۔

"لیکن آپ ہمارے گھر کی نگرانی کیوں کر رہے تھے؟"

"یہ میرا شوق ہے — میں صرف یہ دیکھتا ہوں — کون ملنے آیا، کون کس وقت گیا — شاید میری یہ نگرانی آپ لوگوں کے کام آ جائے۔"

"اچھا پہلے یہ بتائیں — جیرال نے آ کر کیا حرکات کی تھیں؟"

"اس کے لیے مجھے رجسٹر لانا ہو گا — کیا مجھے اجازت ہے؟"

"بھئی کیا خبر — آپ فرار ہونے کی تیاریاں کر رہے ہوں۔"

"آخر میں کیوں فرار ہوں گا — کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟"

"دوسروں کے مکانات کی نگرانی بھی جرم ہے، کیونکہ کسی سلسلے میں اگر نگرانی کرنے کی ضرورت ہو تو یہ کام قانون کے محافظ کریں گے — نہ کہ آپ۔"

"اوہ بس یہی میری غلطی ہے — بلکہ سو فیصد غلطی۔" اس نے چونک کر کہا۔

"سو فیصد غلطی — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں آپ لوگوں کے کارنامے پڑھتا رہتا ہوں — پڑھتا رہا ہوں — اور پڑھتا رہوں گا — لیکن اس پڑھنے کے چکر نے مجھے ایک خیالی انسان بنا دیا ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا مطلب — خیالی انسان؟"

"ہاں! خیالی انسان — میں خود کو انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ خیال کرتا رہتا ہوں۔"

"حیرت ہے — تم نے کبھی خود کو شوکی تصور نہیں کیا۔"

"کیا ہے — لیکن بہت کم — اس لیے کہ اصلی ہیرو تو یہ ہیں۔"

"اے خبردار — آپ ہمیں نقلی ہیرو نہیں کہہ سکتے۔"

"اوہ سوری — اچھا تو کیا میں وہ رجسٹر لے آؤں؟"

"ہاں لے آئیں — لیکن فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔"

"میں نے جب کوئی جرم کیا ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے — جائیں اور جلد رجسٹر لے آئیں۔"

اس نے دوڑ لگا دی —

"کیا چیز ہے یہ؟"

"دشمن کا کوئی جاسوس لگتا ہے۔" اخلاق نے کہا۔

"ابھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے — انکل کریں گے۔"

جلد ہی وہ رجسٹر لے آیا — اور اسے کھولتے ہوئے بولا:

"یہ دیکھیے — اس خوفناک آدمی نے اس لڑکی کے ساتھ دروازے پر پہنچ کر کیا کام کیا تھا۔"

وہ رجسٹر پر جھک گئے اور پھر ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں —

خوفناک خاموشی

دستک کی آواز سن کر پروفیسر ارسلان نے ان کی طرف دیکھا:

"یہ دستک میرے والد صاحب نے نہیں دی، دروازے پر کوئی اور ہے۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"لیکن کون، سوال تو یہ ہے؟" آصف بولا۔

"یہ تو دروازہ کھلنے پر ہی پتا چل سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے — آپ ایک طرف ہو جائیں — بلکہ اپنے بیٹے سمیت ایک کمرے میں بند ہو جائیں — دروازہ اندر سے بند کر لیں — باقی ہم دیکھ لیں گے۔"

"اور باہر اگر خطرناک لوگ ہوئے؟" پروفیسر ارسلان بولے۔

"تب بھی ہم انھیں دیکھ لیں گے۔"

دونوں کمرے میں چلے گئے — دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر وہ دروازے کی طرف آئے:

"کون صاحب ہیں؟" آصف نے کہا۔

"پروفیسر صاحب کا چچازاد بھائی ہوں — کامران۔"

"اوہ اچھا۔" یہ کہہ کر آفتاب نے دروازہ کھول دیا۔

فوراً ہی اسے ایک زوردار دھکا لگا — وہ اُلٹ کر گرا، انھوں نے دیکھا، اندر آنے والے چھے غنڈے تھے اور ان کے ہاتھوں میں خوفناک قسم کی رائفلیں تھیں:

"خبردار ہاتھ اوپر اٹھا دو، ورنہ چھلنی کر دیں گے۔"

"یہ لیں، اٹھا دیے ہاتھ۔" آفتاب نے جھلا کر کہا اور انھوں نے ہاتھ اوپر کر دیے۔

"پروفیسر ارسلان کہاں ہیں؟"

"ان کی ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی آپ کو؟" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بکومت — یہ بتاؤ — وہ کہاں ہیں؟"

"ارے — ابھی ابھی تو یہیں تھے — حیرت ہے — کہیں مکھیاں بن کر تو نہیں اڑ گئے۔"

انھوں نے بُرے بُرے منہ بناتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا پھر بند دروازے کی طرف بڑھے:

"اس کمرے کی طرف نہ جائیں — خدا کے لیے رک جائیں۔" آصف نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"کیا مطلب — اس کمرے میں ہے۔" ایک غنڈے نے کہا

اور دروازہ دھڑ دھڑا دیا ۔

"دروازہ کھولو، ورنہ توڑ دیں گے۔"

"دروازہ نہ کھولیے گا پروفیسر صاحب۔" آصف نے بلند آواز میں کہا۔

"خاموش رہو ۔۔۔ ورنہ ہم پہلے تمہیں خاموش کریں گے، پھر دروازہ کھلوائیں گے۔"

"اوہ اچھا ۔۔۔ لیجیے ۔۔۔ ہم تو ویسے ہی خاموش ہو جاتے ہیں۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"میں اس طرح خاموش کرنے کی بات نہیں کر رہا ۔۔۔ موت کے گھاٹ اتار کر خاموش کروں گا۔"

"ارے باپ رے ۔۔۔ اس قدر خوفناک خاموشی۔" آفتاب لرز گیا ۔

"دروازہ کھول دو پروفیسر، ورنہ ہم توڑنا شروع کرتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں پروفیسر صاحب ۔۔۔ چاہے کچھ ہو جائے۔"

"چاہے ہم تم لوگوں کو گولیوں سے کیوں نہ بھون دیں۔" ایک غنڈے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! کیوں نہیں۔" آصف نے کہا۔

"تو پھر پہلے تم لوگ ہی جاؤ ۔۔۔ سُن لو پروفیسر ۔۔۔ ہم ان لوگوں کو گولیوں سے بھون رہے ہیں۔"

"ن ۔ نہیں ۔۔۔ نہیں۔" اندر سے پروفیسر چلّائے۔

"خبردار پروفیسر انکل ۔۔۔ چاہے اس طرف کچھ ہو جائے آپ دروازہ نہیں کھولیں گے ۔۔۔ ہم دیکھ چکے ہیں ۔۔۔ یہ بہت مضبوط دروازے ہیں ۔۔۔ آسانی سے نہیں ٹوٹیں گے۔"

"لل ۔۔۔ لیکن ۔۔۔ یہ آپ لوگوں کو ..." پروفیسر اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکے ۔

"آپ ہماری فکر نہ کریں ۔۔۔ یہ لوگ ہمیں نہیں جانتے ۔۔۔ بس آپ دروازہ نہ کھولیں۔"

"اچھا ۔۔۔ لیکن میں آپ لوگوں کو موت کے گھاٹ اُترتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"تو آپ دیکھنے کے قابل ہیں بھی نہیں ۔۔۔ اس لیے کہ کمرے میں بند ہیں ۔۔۔ اور اس دروازے میں کوئی جھری بھی نہیں ہے۔"

"آپ اس حالت میں بھی مذاق کر سکتے ہیں۔"

"ہاں! یہی تو ہماری عادت ہے۔"

"ان لوگوں کے جسموں میں سو سو گولیاں اتار دو ۔۔۔ یہ یوں نہیں مانیں گے۔"

ان کی رائفلیں ان کی طرف تن گئیں ۔۔۔ عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی ۔۔۔ آفتاب، آصف اور فرحت کو یوں لگا جیسے دھانوں [illegible] پانی پڑ گیا ہو ۔۔۔ کیونکہ یہ انداز

انسپکٹر کامران مرزا کا تھا۔

"یہ ۔۔ یہ کون آ گیا؟"

"آپ کی طبیعت صاف کر دینے والے آئے ہیں۔" آفتاب چہک کر بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"مطلب یہ کہ وہ آئے ہیں ۔ جو آپ جیسوں کو ذرا بھی گھاس نہیں ڈالتے۔"

"ذرا کھولنا بھئی ۔۔ دیکھتے ہیں ۔۔ کون آئے ہیں۔" ایک نے لا[illegible] انداز میں کہا۔

ایک گیا اور اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا، لیکن کوئی نہیں تھا:

"ہائیں! باہر تو کوئی بھی نہیں ہے، پھر دروازہ کس نے کھٹکھٹایا؟"

"آسیب نے۔" آفتاب مسکرایا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔۔ باہر نکل کر دیکھو۔" دوسرے نے دروازہ کھولنے والے سے کہا۔

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

باقی دروازے کی طرف دیکھنے لگے ۔۔ چند سیکنڈ گزر گئے، باہر مکمل خاموشی رہی ۔۔ اس پر اندر والوں میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا:

"کہاں وہ گئے؟"

"شاید باہر جاتے ہی سو گئے۔" آفتاب بولا۔

"ڈونے ۔۔ تم دیکھو جاکر، لیکن احتیاط سے جانا۔"

"تم فکر نہ کرو استاد۔"

اور دوسرا باہر کی طرف بڑھا ۔۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے دائیں بائیں دیکھا، لیکن باہر نہ اسے اپنا ساتھی نظر آیا، نہ کوئی اور ۔۔ اس کے منہ سے نکلا:

"ارے باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"تو باہر نکل کر دیکھو نا۔"

وہ باہر نکل گیا ۔۔ اب باقی اس کی طرف سے کوئی اطلاع ملنے کا انتظار کرنے لگے، لیکن اس کی طرف سے بھی کوئی جواب نہ ملا:

"حد ہو گئی ۔۔ اب مجھے دیکھنا ہو گا۔" اس نے کہا جو انھیں حکم دے رہا تھا ۔۔ طیش میں آکر وہ اندھا دھند انداز میں باہر نکل گیا ۔۔

اب پیچھے تین رہ گئے ۔۔ وہ دروازے کی طرف متوجہ تھے، گویا انھیں ان کی طرف سے کوئی خطرہ ہی نہیں تھا ۔۔ انھوں نے موقع غنیمت جانا اور ایک ساتھ ان تینوں پر چھلانگیں لگا دیں ۔۔ وہ الٹ کر گرے اور دوسرے لمحے ان کی کلاشن کوفیں

تینوں کے ہاتھوں میں تھیں :

"اب تم ہاتھ اوپر اُٹھا دو — تم لوگوں کے تین ساتھی اب اس قابل نہیں رہ گئے کہ تمھاری کوئی مدد کر سکیں — اس لیے کہ باہر میرے والد صاحب — یعنی انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔"

"نن — نہیں — نہیں۔" وہ خوف زدہ انداز میں چلائے۔

"ابا جان! اندر یہ لوگ اب ہمارے قابو میں ہیں — باہر کیا پوزیشن ہے؟"

"یہ تینوں بے ہوش پڑے ہیں۔" باہر سے ان کی آواز سنائی دی۔

"بس تو پھر آپ بے دھڑک اندر آ جائیں۔"

وہ اندر آ گئے — دشمنوں کی کلاشن کوفیں اب ان کے ہاتھوں میں تھیں، وہ انھوں نے اندر لا کر ڈھیر کر دیں :

"پہلے میں ان تینوں کو اندر کھینچ لاؤں۔" وہ بولے۔

"جی بہتر!"

جلد ہی چھے کے چھے غنڈے بندھے پڑے تھے :

"کیسے مزاج ہیں دوستو — اور ہاں! اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ یہ چکر کیا ہے؟" آفتاب نے کہا۔

"میں بتا دیتا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"آپ کیسے بتا سکتے ہیں؟" فرحت حیران ہو کر بولی۔

"پروفیسر صاحب کے بیٹے کو لے کر آنے والے کا میں نے

تعاقب کیا تھا اور پھر راستے میں ہی میں اسے چاپ بیٹھا، لہٰذا میں نے اس سے سب اگلوا لیا۔"

"جی کیا مطلب — کیا اگلوا لیا؟"

"انشارجہ میں ایک عدد اُڑن طشتری گری تھی — پروفیسر صاحب کو اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے — جب کہ انشارجہ چاہتا ہے — یہ کسی کو کوئی بات نہ بتا سکیں۔"

"ٹھیک ہے — سوال تو یہ ہے کہ انھیں کیا معلوم ہے؟"

"یہ تو اب ہم ان سے پوچھیں گے — دروازہ بند کر لو۔"

آصف نے بیرونی دروازہ اندر سے بند کر لیا :

"ہاں پروفیسر صاحب — اب بتائیں۔"

"اُڑن طشتری واقعی گری تھی — اور انشارجہ کی حکومت اس راز کو راز رکھنے کے چکر میں تھی — لہٰذا پہلے تو مجھے دھمکی دی گئی، پھر میرے بیٹے کو اغوا کیا گیا — اس کے بعد یہ کارروائی کی گئی۔"

"حالانکہ اس کارروائی کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

"جی — کیا مطلب؟"

"ذرا غور کرو — پروفیسر ارسلان ان کی بات مان چکے تھے، لہٰذا انھوں نے ان کا بیٹا واپس کر دیا — لیکن عین اس کے تھوڑی دیر بعد چھے غنڈے بھیج دیے — آخر ان کی کیا ضرورت

پیش آ گئی تھی — یا تو وہ بیٹا واپس نہ کرتے — اس بات نے مجھے چکرا دیا۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ کہ — پروفیسر صاحب ہمیں بتائیں گے — یہ چکر کیا ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں — اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"تب پھر اس بات کی تُک سمجھا دیں کہ جب انھوں نے آپ کا بیٹا واپس کر دیا تھا تو ساتھ ہی پیچھے غنڈے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں — یہ تو بھیجنے والے بتا سکتے ہیں۔"

"اچھا وہ فلم ہمیں پھر دکھائیں۔"

"ضرور کیوں نہیں — آئیں۔"

وہ انھیں سٹوڈیو میں لے آئے اور فلم لگا دی — فلم ختم ہوئی تو انھوں نے کہا:

"آپ نے اس واقعے کو جب اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کیا خیال کیا؟"

"یہ کہ..." وہ کہتے کہتے رک گئے — ان کی آنکھوں میں اُلجھن تیر گئی —

"آپ رُک کیوں گئے — خیر تو ہے؟" وہ فوراً بولے۔

"میں نے خیال کیا — اُڑن طشتری کسی دوسرے سیارے سے آئی ہے اور کسی خرابی کی وجہ سے انشارجہ کی سرزمین پر گر گئی ہے — پہلے میں اس کو شہابِ ثاقب خیال کرتا رہا تھا — میرا مطلب ہے، جب وہ شروع میں نظر آئی تھی — کیونکہ بعض شہابِ ثاقب آگ کی مانند سُرخ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہوں! پھر آپ نے انشارجہ کی رصدگاہ کے انچارج ایم رٹن کو فون کیا، لیکن اس نے اُڑن طشتری کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر دیا — اور پھر اخبارات میں بھی کوئی خبر نظر نہیں آئی — اس طرح آپ اور اُلجھن میں مبتلا ہو گئے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ فوراً بولے۔

"پھر — اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد اچانک انھوں نے میرے بیٹے کو اغوا کر لیا۔"

"آپ نے رپورٹ درج کرائی؟"

"نہیں — میں ان کی دھمکی سے ڈر گیا تھا۔"

"کیا آپ کو بس اتنا پتا ہے کہ ایک عدد اڑن طشتری انشارجہ کی سرزمین پر گری ہے؟"

"ہاں! اور انشارجہ اسی بات کو چھپانا چاہتا ہے۔" وہ فوراً بولے۔

"جی نہیں پروفیسر صاحب — انشارجہ کو ایسی کوئی خبر چھپانے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی — اس لیے کہ ایسی خبریں تو اس

نے خود ان گنت مرتبہ شائع کی ہیں — جب بھی کوئی اس قسم
کا واقعہ پیش آیا — ان کے اخبارات نے خوب اچھالا — زور
شور سے شائع کیا۔"

"تب پھر کیا بات ہے — یہ آپ بتا دیں۔" وہ جھلا کر بولے۔

"ہاں! میں ضرور بتاؤں گا — اس مرتبہ اڑن طشتری میں
کسی دوسرے سیارے کی مخلوق بھی آئی تھی — اخبار دراصل
اس آدمی کو چھپانا چاہتا تھا۔"

"نن — نہیں۔" پروفیسر چلا اٹھے — ان کی آنکھیں حیرت اور
خوف سے پھیل گئیں —

ٹیڑھی کھیر

فاروق اور فرزانہ جونہی تجربہ گاہ میں داخل ہوئے، خادم گرمانی
ان کے سامنے آ گیا:

"آخر تم لوگ پھر یہاں آ گئے۔"

"اُف مالک! یہ آپ ہیں — خادم گرمانی۔"

"ہاں! یہ میں ہی ہوں۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آخر یہ چکر کیا ہے — آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"تجربہ گاہ پر قبضہ — اور وہ اس وقت ہمارا ہے۔"

"کیا آپ پہلے سے اس پروگرام پر عمل پیرا ہو چکے تھے؟"

"ہاں! بالکل۔"

"گویا پہلے آپ نے پروفیسر داؤد سے دوستی گانٹھی — یہاں
آنا جانا شروع کیا اور آخر آج یہ حرکت کر ڈالی — لیکن اس
طرح بھلا آپ کب تک قبضہ کیے رہیں گے؟"

"زیادہ دیر قبضے کی ضرورت نہیں — ہمیں بس ایک چیز

کی تلاش ہے — جونہی وہ ملی — ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"اوہ — اور وہ کیا چیز ہے؟"

"یہ تو میں نہیں بتاؤں گا — تم خود ذہن دوڑاؤ — یا پروفیسر داؤد کو ہوش میں لا کر معلوم کر لو۔"

"نہیں — ہم آپ سے معلوم کریں گے۔"

"ضرور — کوشش کر دیکھو۔"

دونوں نے ایک ساتھ اس پر چھلانگ لگائی اور پھر حیران رہ گئے، کیونکہ وہ اس سے نہیں ٹکرا سکے تھے — جب کہ انھوں نے بہت جچے تُلے انداز میں چھلانگ لگائی تھی — وہ اپنی جگہ سے صرف چند انچ ہٹ کر کھڑا مسکرا رہا تھا:

"بہت خوب مسٹر خادم گرمانی — آپ بہت ماہر ہیں — مان گئے ہیں — ارے — یہ محمود کہاں رہ گیا؟" فاروق چونکا۔

"بیچارہ باہر خاک پھانک رہا ہوگا۔" خادم ہنسا۔

"کیا مطلب؟"

"جب آدمی منہ کی کھاتا ہے تو خاک ہی پھانکتا ہے نا۔"

"کیا مطلب — کیا محمود بھی باہر منہ کی کھا چکا ہے؟"

"ہاں! ابھی دکھا دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکالی — فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک شخص بے ہوش محمود کو ہاتھوں پر اٹھائے اندر داخل ہوا:

"اسے ان کے پاس ڈال دو۔"

انھوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا — اور پھر وہ خادم گرمانی کی طرف دیکھنے لگے:

"آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"عجیب دشمن کہو تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"چلیے یہی سہی۔"

"ان دونوں کو باندھ دو — اور اس تیسرے کو بھی — کہیں یہ ہوش میں آ کر کوئی شرارت نہ کر جائے — یہ لوگ شرارتیں کرنے کے بہت شوقین ہیں۔"

"او کے سر۔"

"لیکن ہم خود کو نہیں بندھوائیں گے۔"

"بھئی مشکل ہے — باندھے بغیر ہم اپنا کام آرام سے نہیں کر سکیں گے۔"

"تو ہمیں اس سے کیا۔"

"اس صورت میں مجھے ہاتھ پیر ہلانا پڑیں گے۔"

"تو ہلاؤ — روکا کس نے ہے۔"

"اچھا تو پھر آؤ۔"

یہ کہہ کر وہ ان دونوں کی طرف بڑھا — وہ بھی اس پر حملے کے لیے تیار ہو گئے —

"آؤ آؤ — کرو مجھ پر وار۔"

دونوں نے ایک بار پھر خوب سوچ سمجھ کر اس پر چھلانگ لگائی اور چھلانگ ان کے اپنے خیال کے مطابق بہت زیادہ خوفناک تھی اور خالی نہ جانے والی تھی — لیکن ہوا کیا — ڈھاک کے وہی تین پات — وہ فرش پر آ کر گرے اور خادم گرمانی ایک چھلانگ لگا کر ان کے سروں پر سے ہوتا ہوا ان کی کمر کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا — فرش سے اٹھ کر وہ پھر اس کی طرف مڑے:

"اس میں شک نہیں کہ آپ لڑائی میں بہت ماہر ہیں لیکن ہم بھی ضد کے پکے ہیں۔"

"آؤ بھئی آؤ — دیکھ لیتے ہیں۔" خادم گرمانی ہنسا۔

"ترکیب نمبر ۱۳۔" فرزانہ بولی۔

اور وہ فوراً مختلف سمتوں میں کھڑے ہو گئے —

"یہ کیا بھئی؟" خادم مسکرایا۔

"ہمارا وار روکنے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

اور پھر انھوں نے مختلف سمتوں سے اس پر چھلانگ لگائی — اس بار خادم گرمانی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی — وہ اس سے ٹکرا کر دور جا گرے — انھیں یوں لگا جیسے وہ کسی لوہے کے ستون سے ٹکرا گئے ہوں —

ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے —

"آپ — آپ انسان ہیں یا لوہا؟"

"لوہا تو میرے آگے پانی بھرتا ہے — خیر — اب ذرا ایک ایک ہاتھ میرا بھی سہہ کر دکھاؤ۔"

"ضرور کیوں نہیں — اگر آپ ہمیں ایک ایک ہاتھ دے کر سکتے ہیں تو کر کے دکھائیں۔"

وہ اچانک حرکت میں آیا — انھیں سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا — ان کے سروں پر ایک ایک ہاتھ پڑا اور پھر انھیں کوئی ہوش نہ رہا —

ہوش آیا تو خود کو ایک کمرے میں بند پایا، لیکن انھیں رسیوں سے باندھا نہیں گیا تھا، ایسے ہی ڈال دیا گیا تھا — اور ان کے علاوہ کمرے میں کوئی نہیں تھا — محمود بھی ہوش میں تھا —

"یہ خادم گرمانی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔" فاروق بولا۔

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہم تجربہ گاہ کے ہی ایک کمرے میں بند ہیں، گویا خادم گرمانی صاحب بھی ابھی تک یہیں موجود ہیں۔"

"اور ابا جان کہاں ہیں — انھیں تو تجربہ گاہ میں ہونا چاہیے تھا، کیا ابھی تک انھیں پروفیسر انکل کی پر اسرار بے ہوشی

کی بھی اطلاع نہیں ملی ۔۔۔ آخر کو ہمیں بھی تو انھوں نے ہی
ادھر بھیجا تھا۔"

"پتا نہیں، کیا چکر ہے۔"

عین اس وقت دروازہ کھلا اور خادم گرمانی کی شکل نظر آئی
وہ مسکرا رہا تھا:

"اب کیا حال ہے دوستو؟"

"ٹھیک ہے ۔۔۔ آپ سنائیں۔" فاروق خوش گوار لہجے میں بولا۔

"میں خیریت سے ہوں ۔۔۔ تجربہ گاہ پر اس وقت میرا قبضہ
ہے ۔۔۔ پروفیسر صاحب اور ان کے ماتحت ہسپتال میں بے ہوش
پڑے ہیں ۔۔۔ انسپکٹر جمشید کا دور دور تک پتا نہیں ۔۔۔ کیوں کیسی
رہی؟" وہ مسکرایا۔

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" محمود بولا۔

"میں کیا چاہتا ہوں ۔۔۔ شاید یہ بات تو میں خود بھی نہیں جانتا"

"اس رومال کے بارے میں ہی بتا دیں۔"

"رومال کے بارے میں صرف اور صرف مسٹر جیرال بتا
سکتے ہیں ۔۔۔ میں تو ان کا ایک ادنیٰ سا خادم ہوں۔"

"خادم تو آپ ویسے بھی ہیں ۔۔۔ ویسے یہ جان کر حیرت
ہوئی اور خوشی بھی کہ آپ کا تعلق مسٹر جیرال سے ہے ۔۔۔ مجھے
آپ لڑائی بھڑائی اور طاقت میں اس قدر بڑھ چڑھ کر ہیں

مسٹر جیرال ایسے ویسے لوگ تو چننے سے رہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ یہاں کیا کرنے کا ارادہ ہے آپ کا؟"

"یہ بات تم لوگوں کو اس وقت معلوم ہوگی ۔۔۔ جب مسٹر جیرال
اپنے منصوبے کو مکمل کر چکے ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ جو منصوبہ وہ لے کر آئے ہیں ۔۔۔ جب اس
پر عمل کر چکے ہوں گے اور جب اس کا نتیجہ سامنے آئے گا،
اس وقت تم لوگوں کو پتا چلے گا ۔۔۔ اور اس وقت پتا چلنے کا
آپ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ۔۔۔ آپ کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"بات پلے نہیں پڑی۔"

"میں مثال کے طور پر سمجھاتا ہوں ۔۔۔ فرض کیا ۔۔۔ مسٹر جیرال
اس تجربہ گاہ کو بم سے اڑا دینے یا آگ لگا دینے کا منصوبہ
لے کر آئے ہیں ۔۔۔ جب تجربہ گاہ اڑ جائے گی یا آگ سے جل
کر راکھ ہو جائے گی تو اس وقت آپ کو پتا چلے گا ۔۔۔ ظاہر
ہے، آپ اس وقت کیا کر سکیں گے۔"

"نن ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ تت ۔۔۔ تو کیا مسٹر جیرال تجربہ گاہ کو اڑانے
آئے ہیں؟"

"یہ بات میں نے مثال کے طور پر کہی ہے۔" خادم گرمانی مسکرایا۔

"آپ مسٹر جیرال کے مقامی ساتھی ہیں یا انشارجہ سے ان کے ساتھ آئے ہیں؟"

"میں یہیں رہتا ہوں — جب ان لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے مجھ سے رابطہ کر لیتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے — تم غدار ہو۔" محمود نے جل کر کہا۔

"غدار کیسے؟" وہ مسکرایا۔

"اپنے ملک اور قوم کو نقصان پہنچا رہے ہو یا نہیں؟"

"نہ یہ میرا ملک ہے اور نہ اس ملک کے رہنے والے میری قوم ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟"

"جب یہ ملک بنا تھا — تو اس وقت مہاجرین کے روپ میں بہت سے غیر مسلم بھی یہاں بھیج دیے گئے تھے — وہ لوگ آج تک اس ملک کی جاسوسی کرتے ہیں۔"

"اوہ نہیں۔" وہ بولے۔

"میں ان میں سے ایک ہوں۔" خادم گرمانی نے کہا۔

"لیکن آپ جیرال کے لیے کام کرنے کیسے لگ گئے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جیرال کب کا مر چکا ہے۔"

"ہمیں تو بس اُوپر کے احکامات پر عمل کرنا پڑتا ہے — ہمیں حکم ملا — مسٹر جیرال آ رہے ہیں، ان کے احکامات

کی تعمیل کرنا ہو گی — بس ہم نے تعمیل شروع کر دی۔"

"اور یہ سوچنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ جو شخص مر چکا ہے — وہ کیسے آ سکتا ہے؟"

"نہیں! اس لیے کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔"

"اور مسٹر جیرال تجربہ گاہ کو اڑانے آئے ہیں؟"

"یہ کیا مشکل کام ہے — پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ تو ایک معمولی سا ایجنٹ اُڑا سکتا ہے — مسٹر جیرال جیسے لوگ بڑے کاموں کے لیے ہیں۔"

"تو پھر وہ ایسی کون سی چیز اڑانے آئے ہیں؟"

"بتا نہیں — وہ کیا منصوبہ لے کر آئے ہیں — مسٹر جیرال کا ایک اُصول ہے — اپنے منصوبے کی ہوا تک نہیں لگنے دیتے، اس وقت ہم ان کے ایک حکم کی تعمیل کرنے والے ہیں — کیا آپ لوگ یہ نظارہ دیکھنا پسند کریں گے؟"

"ہمیں کیا معلوم — وہ نظارہ کیا ہو گا، کیسا ہو گا؟" فاروق نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"میں بتاؤں گا — آنا ہے تو آ جائیں۔" یہ کہ کر وہ جانے کے لیے مڑ گیا —

تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر اس کے پیچھے چل پڑے — جلد ہی وہ تجربہ گاہ کے پیچھے لگاتے گئے

باغ میں تھے ___ اس باغ کے اردگرد بہت اونچی دیواریں تھیں
اور ان سے بھی اونچے سفیدے کے درخت تھے ___ گویا تجربہ گاہ
دوہری دیوار کے اندر تھی ___ اس باغ کے درمیان میں ایک
ستون گاڑا گیا تھا ___ اس ستون سے پھانسی کا ایک پھندا لٹک
رہا تھا ___ باغ میں اس وقت بیس کے قریب غنڈہ صورت
لوگ موجود تھے ___ ایک آدمی اس ستون سے بندھا ہوا تھا۔

"تو یہ ہے وہ؟" خادم گرمانی نے بندھے ہوئے شخص کی
طرف دیکھا ___

وہ تھرتھر کانپنے لگا ___

"یس سر ___ وہ یہی ہے۔"

"کیا مسٹر جیرال کا تمہیں یہ حکم نہیں ملا تھا کہ صولت بیگ
اس کی بیوی کو اغوا کرنا ہے ___ اور بس۔"

"ج ج ___ جی ہاں! ان کا یہی حکم ملا تھا مجھے۔"

"تب پھر تم نے اس کی بیوی کو ہلاک کیوں کیا؟"

"م ___ مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

"کیوں بھئی ___ کیا اس نے ایسا غلطی سے کیا؟"

"ن ___ نو سر ___ ہم نے اسے روکا تھا ___ اور یاد دلایا تھا
کہ مسٹر جیرال کا حکم دونوں کو اغوا کرنے کا ہے ___ قتل کرنے
کا نہیں ہے۔"

"تب پھر ___ اس نے کیا کہا؟"

"اس نے کہا ___ مجھے قتل کر کے بہت مزا آتا ہے ___ لہٰذا میں
خود کو روک نہیں سکتا۔"

"کیوں! یہ بات ٹھیک ہے؟"

"ہاں! میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔"

"لیکن مسٹر جیرال کو ایسے لوگ پسند نہیں ___ جو حکم کی خلاف
ورزی کریں ___ وہ ایسے لوگوں کو اپنے گروہ میں رکھنے کا عادی
نہیں ہے۔"

"تب پھر آپ مجھے گروہ سے نکال دیں۔"

"مسٹر جیرال کا ایک اصول اور ہے ___ حکم عدولی کرنے والے
کو سزا ضرور دیتے ہیں ___ اگر تم نے یہ حکم عدولی کرنے سے
پہلے گروپ سے نکال دیئے جانے کی درخواست کی ہوتی تو
وہ خوشی سے تمہیں فارغ کر دیتے ___ لیکن اب نہیں ___ اب
تمہاری سزا صرف اور صرف موت ہے ___ پھانسی کا پھندا تیار
ہے ___ اور مسٹر جیرال کا حکم ہے کہ تمہیں ہر حال میں پھانسی
دی جائے۔"

"ن نہیں ___ میں ان سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔"

"وہ معاف کرنے کے عادی نہیں ___ اسے پھانسی کی سزا
دے دی جائے۔" خادم نے کہا۔

اس کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔ اس کے ساتھی اسے کھولنے لگے۔

"تم لوگوں نے دیکھا ــــ مسٹر جیرال اپنے آدمی کو یہ سزا صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ اس نے ان کے ایک دشمن یا خلاف شخص کی بیوی کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"ہم جانتے ہیں ــــ مسٹر جیرال اپنے اصول کے کتنے پابند ہیں ــــ یہ بات ہمارے تجربات میں آ چکی ہے۔"

اسی وقت اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا اور اس کا دھڑ چھوڑ دیا گیا ــــ اس کا جسم پھڑکنے لگا ــــ چند منٹ بعد وہ ساکت ہو گیا ــــ انھوں نے بڑی مشکل سے یہ نظارہ دیکھا ــــ وہ اس شخص کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ ایک تو وہ خود قاتل تھا ایک بے قصور کو اس نے بلا وجہ قتل کر دیا تھا۔ دوسرے اگر وہ کسی وجہ سے اسے بچانا بھی چاہتے تو خادم گرمانی انھیں ٹیڑھی کھیر نظر آ رہا تھا:

"تم لوگوں نے دیکھا؟" خادم بولا۔

"ہاں! دیکھا ــــ اب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"اس سزا سے تم لوگ بچ سکتے ہو ــــ اگر مسٹر جیرال کی ایک شرط مان لو۔"

"کیا مطلب ــــ کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلے۔

"مسٹر جیرال کی شرط یہ ہے کہ تم لوگ نومنی کو وزیرِ داخلہ کو مجبور کرو کہ وہ ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کرے ــــ جس میں سبھی بڑے آفیسر شریک ہوں۔"

اس شرط نے انھیں حیرت میں مبتلا کر دیا ــــ

کیا!!!

انسپکٹر جمشید نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ریسیور اٹھا لیا — دوسری طرف سے فوراً ہی آئی جی شیخ شاد احمد کی آواز سنائی دی:

"یس سر — میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"جمشید تم نے چھے آدمیوں کو گرفتار کیا ہے اور انھیں گرفتار کرکے یہاں لائے ہو — تم اس بات سے انکار تو کرو گے نہیں — میں جانتا ہوں۔"

"تھوڑا سا فرق ہے سر۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" آئی جی چونک اٹھے۔

"میں نے چھے نہیں، پانچ آدمی گرفتار کیے ہیں۔"

"اوہو اچھا — تب پھر چھٹا کدھر گیا؟"

"اس کا مطلب ہے — کوئی چھٹا بھی تھا — اور وہ ہماری نظروں میں نہیں آسکا — لیکن معاملہ کیا ہے سر؟"

"بھئی ان لوگوں کو رہا کرنا ہوگا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سر — ان لوگوں نے ایک صحافی کو اور اس کی بیوی کو قتل کیا ہے۔"

"کیا جرم ثابت ہے؟"

"یس سر۔"

"تب تم فوراً انھیں عدالت میں پیش کر دو۔"

"اوکے سر — آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی — صبح انھیں عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔"

"لیکن پانچ کو نہیں — چھے کو — اس لیے کہ تم پر الزام ہے کہ تم نے چھے بے گناہ لوگوں کو گرفتار کیا ہے۔"

"اچھی بات ہے — میں چھٹے کو بھی اِن شاء اللہ عدالت میں ان کے ساتھ پیش کروں گا۔"

"بہت خوب! شکریہ جمشید۔"

اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"ہاں بھئی — تو تمھارے ساتھ کوئی چھٹا بھی تھا؟"

"ہاں! اسی نے صولت کی بیوی کو قتل کیا تھا — ورنہ ہمیں صرف اغوا کرنے کا حکم تھا۔"

"اب پھر اس نے قتل کیوں کیا؟"

"اس لیے کہ وہ قتل کرنے کا جنون رکھتا ہے — بس اپنے

جنوں نے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"قتل کے بعد جب اسے ہوش آیا کہ کیا کر بیٹھا ہے تو باس کے خوف سے فوراً ہم سے الگ ہو گیا، کیونکہ بہت خوف زدہ ہو گیا تھا۔"

"میں نے پوچھا ہے — وہ ہمیں کہاں ملے گا؟"

"خادم گرمانی ہمارے باس ہیں — انھوں نے اب تک شاید اسے پکڑوا لیا ہو گا — کیونکہ وہ حیرت انگیز طور پر چالاک ہیں — فوراً سراغ لگا لیتے ہیں — لہٰذا جہاں خادم گرمانی ہوں گے، وہیں چھپا ہو گا۔" ایک نے کہا۔

"اور چھپنے کا نام کیا ہے؟"

"راجا کالو۔" اس نے بتایا۔

"ٹھیک ہے — میں اس کا سراغ لگا لوں گا — اب صبح تم لوگوں کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

"کیا!!!" وہ خوش ہو گئے۔

"اس قدر خوش ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"آخر ہمارے پُراسرار باس نے اپنا کام دکھا دیا۔"

"تمھارا مطلب ہے — خادم گرمانی؟" وہ بولے۔

"نہیں — خادم گرمانی نے حکومت کے کئی بڑے بڑے آدمیوں

کو قابو میں کر رکھا ہے — ان میں سے ایک بڑا آدمی ہماری حفاظت کا ذمے دار ہے — اگر ہمیں کچھ ہو جاتا ہے تو وہ بڑا آدمی خادم گرمانی کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"ہاں! حکومت کے لوگ خادم گرمانی سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ میں کیا بتاؤں۔"

"خیر — دیکھتے ہیں — کیا ہوتا ہے۔"

ایسے میں انھیں پروفیسر داؤد اور اس رومال کا خیال آیا — انھوں نے پہلے گھر فون کیا، لیکن بیگم جمشید کو کچھ پتا نہیں تھا — لہٰذا انھوں نے تجربہ گاہ میں فون کیا — گھنٹی کافی دیر تک بجتی رہی، لیکن کسی نے ریسیور نہ اٹھایا۔

"اکرام! تجربہ گاہ میں گڑبڑ ہے — ان لوگوں کو یہیں بند کر دو اور آؤ تجربہ گاہ ہو آئیں — کہیں اس رومال نے کام دکھا دیا ہو۔"

جلد ہی وہ تجربہ گاہ کی طرف اڑے جا رہے تھے — ابھی تجربہ گاہ سے کچھ فاصلے پر تھے کہ انسپکٹر جمشید نے کہا:

"یار اکرام — میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی ہے — تجربہ گاہ میں خطرہ ہے — لہٰذا ہم گاڑی لے کر سیدھے دروازے کی طرف نہیں جائیں گے۔"

"تب پھر؟" اکرام بولا۔

"تجربہ گاہ کے پچھلی طرف جو باغ ہے، اس طرف سے جائیں"

"لیکن سر — اس طرف کوئی دروازہ نہیں ہے اور دیوا
بہت اونچی ہیں، سفیدے کے درخت دیواروں سے بھی ا
ہیں۔" اکرام نے کہا۔

"یار کوئی بات نہیں — ویسے تم اپنے عملے کو فون کر
وہ فوری طور پر تجربہ گاہ کو اپنے گھیرے میں لے لے ا
دروازے پر موجود نگرانوں کو بھی گرفتار کر لے۔"

"جی کیا فرمایا — انھیں گرفتار کرنے کی کیا ضرورت ہے"

"اکرام! ہمارا مقابلہ جیرال سے ہے — اس کا ایک طریقہ
ہے کہ کئی سمتوں سے بیک وقت وار کرتا ہے — جب کہ مخا
کو یہ پتا تک نہیں ہوتا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے
بلکہ کیا کچھ کر رہا ہے — وہ تو خود ہم سے ملاقات کے
لیے آ گیا تھا — ورنہ ہمیں تو پتا بھی نہ چلتا کہ ہمارے خلاف
یہ جو پُر اسرار چکر شروع ہوا ہے — اس کی تہ میں کس
دماغ کام کر رہا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" یہ کہ کر اکرام وائرلیس پر ا
ماتحتوں کو ہدایات دینے لگے، پھر وہ گاڑی سے اتر کر تج
کی پچھلی طرف چل پڑے — انسپکٹر جمشید سیدھے ایک درخت

طرف گئے، جیب سے ریشم کی باریک ڈوری نکالی، اس کے
سرے پر لوہے کا ایک ہُک تھا — وہ انھوں نے اس
درخت کی ایک شاخ کی ایک طرف اُچھالا — ہُک شاخ پر
سے ہوتا ہوا ان تک آ گیا — اب انھوں نے ہُک میں گرہ
لگائی اور رسی کو کھینچا — ہُک اوپر جا کر شاخ کے گرد کس
گیا — انھوں نے اپنا پورا وزن رسی پر ڈال کر اس کی
مضبوطی کو چیک کیا اور پھر اس پتلی رسی پر چڑھنے لگے —
اکرام کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں، کیونکہ رسی اگر
دیوار کے ساتھ ہوتی تو اور بات تھی — اس صورت میں دیوار
پر پیر ٹکائے جا سکتے تھے اور چڑھا جا سکتا تھا، لیکن فضا
میں لٹکی ہوئی ریشم کی بالکل پتلی ڈوری، جس میں گرہیں بھی نہیں
لگی ہوئی تھیں — اس پر اوپر چڑھنا قریب قریب ناممکن
تھا، لیکن انسپکٹر جمشید بہت آسانی سے چڑھ رہے تھے —
جلد ہی وہ درخت تک پہنچ گئے اور شاخ پر جا لیٹے،
صرف چند سیکنڈ تک سانس لینے کے بعد وہ اس شاخ سے
ہوتے ہوئے دیوار کے نزدیک پہنچ گئے — شاخ دیوار سے
قدرے اونچی تھی — پہلے انھوں نے رسی شاخ سے اتار
لی، پھر اندازہ قائم کیا اور دیوار پر چھلانگ لگا دی —
اب رسی اندر کی طرف لٹکائی — ہُک کو دیوار میں پھنسایا،

اکرام کو اشارہ کیا کہ وہ باہر کے معاملات کو سنبھالے اور صدر
دروازے کی طرف چلا جائے — اکرام فوراً حرکت میں آ گیا
اور وہ رسی پر سے پھسلتے باغ میں آ رہے — باغ کے درمیان
میں انھیں کچھ لوگوں کی موجودگی کا احساس ہوا — سورج غروب
ہو چکا تھا — اور اس طرف مکمل تاریکی تھی — جب کہ باغ
کے درمیانی حصے میں روشنی تھی — وہ درختوں اور پودوں کی
اوٹ لیتے اس طرف بڑھنے لگے — نزدیک پہنچ کر انھوں
نے دیکھا کہ ایک لاش رسی سے جھول رہی تھی اور چار
آدمی اس کی نگرانی کر رہے تھے — آخر چکر کاٹتے وہ اس
دروازے تک پہنچ گئے جو اندر جانے کے لیے تھا — وہ اس
سے ہو کر اندر پہنچ گئے — تجربہ گاہ کا دروازہ انھیں کھلا نظر
آیا اور اندر باتیں کرنے کی آواز سنائی دی — محمود حیرت زدہ
آواز میں کہ رہا تھا :

"کیا مطلب — آخر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں ؟"

"بس تمھیں اس سے کیا — تم صرف اس بات کا وعدہ کر دو کہ
اس دعوت کا اہتمام کر دو گے اور یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔"

"کیا فرمایا — رخصت ہو جائیں — چاہے ہم وعدہ کر کے چلے
جائیں اور یہ کام نہ کرائیں۔"

"میں جانتا ہوں — تم انسپکٹر جمشید کی اولاد ہو — اگر وعدہ کر کے

جاؤ گے تو پھر کام بھی کراؤ گے۔"

"تب پھر — جب تک آپ ہمیں بتا نہیں دیتے کہ آپ ایسا
کیوں چاہتے ہیں — اس وقت تک ہم وعدہ نہیں کریں گے۔"

"اور اگر تم وعدہ نہیں کرو گے تو پھر تم لوگوں کی لاشیں
بھی اسی طرح لٹکتی نظر آئیں گی۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے — آخر ہمارا قصور کیا ہے ؟"

"بات قصور کی نہیں — مسٹر جیرال کے منصوبے کی ہے۔"

عین اس وقت انسپکٹر جمشید دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے ،
انھوں نے دیکھا — محمود ، فاروق اور فرزانہ سے باتیں کرنے
والے کا منہ دروازے کی طرف تھا — جب کہ ان تینوں
کے رخ اس کی طرف تھے — لہٰذا ان کے اندر داخل ہوتے
ہی اس نے انھیں دیکھ لیا — انھیں حیرت ہوئی — کہ نہ تو
وہ گھبرایا ، نہ اچھلا — نہ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار
نمودار ہوئے —

"مسٹر جیرال پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ اس موقعے پر آپ
یہاں پہنچ جائیں گے ، لہٰذا میں نے آپ کے استقبال کی پہلے
ہی تیاریاں کر رکھی ہیں — آپ ذرا اوپر دیکھ لیں۔"

انھوں نے اوپر دیکھنے سے پہلے ایک الٹی چھلانگ لگائی اور
دروازے کے باہر جا کر گرے — ساتھ ہی وہ پلٹے — اب

ان کے ہاتھ میں ایک پستول نظر آیا:

"ہاتھ اوپر اٹھا دو — اوپر میں بعد میں دیکھوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" خادم گرمانی مسکرایا۔

"کیا مطلب — کس کی ضرورت نہیں؟"

"اس کی ..." اس نے پستول کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ شاید جانتے نہیں — میری گولی ضائع نہیں جاتی۔"

"اب ضائع ہی جائے گی — فائر کریں۔"

اس وقت تک محمود، فاروق اور فرزانہ درمیان سے ہٹ گئے تھے — اپنے والد کو دیکھ کر ان کے چہروں پر رونق آ گئی تھی — اسی وقت انسپکٹر جمشید نے ایک فائر کیا۔ گولی ا کی آنکھ پر لگی — وہ بھی اس لیے کہ اس نے حرکت کرنے ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی — گولی اچٹ کر اسی رفتار ان کی طرف آئی تھی، لیکن وہ خود کو اس سے بھی پہ فرش پر گرا چکے تھے — اس لیے کہ وہ جانتے تھے — ما والا شخص بلا وجہ دعویٰ نہیں کر رہا —

ادھر انھیں گولی سے بچتے دیکھ کر خادم گرمانی حیرت ز رہ گیا:

"بہت خوب! آپ کو بھی ماننا پڑتا ہے۔"

"تو مان لیں نا انکل خادم گرمانی صاحب۔" فاروق نے

آواز منہ سے نکالی۔

"کیا کہا — خادم گرمانی"؟ انسپکٹر جمشید نے مارے حیرت کے کہا

"کیوں ابا جان — آپ حیران کیوں ہو گئے"؟

"ارے بھئی یہ مسٹر جیرال ہیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ساتھ ہی ایک دھماکا ہوا —

اب ہو گی دعوت

رجسٹر پر لکھا تھا :
خوفناک شکل والے آدمی نے پہلے ان کی دیوار پر کوئی چھوٹی سی چیز چپکائی تھی ، پھر وہ بائیں باغ میں گیا تھا ۔ جب کہ لڑکی وہیں کھڑی رہی تھی ۔ گویا اس نے باغ میں بھی کچھ کیا تھا ۔ اس کے بعد دروازے پر آ کر اس نے دستک دی تھی ۔"

انھوں نے نوجوان کی طرف دیکھا :
" یار ٹی ایس ایم ۔ اگر آپ دشمن ملک کے ایجنٹ نہیں ہیں ۔ یا کوئی جرائم پیشہ نہیں ہیں ۔ یا کسی جرائم پیشہ کے ایجنٹ کے طور پر کام نہیں کر رہے تو ضرور کام کے آدمی ہیں ۔"
" شکریہ " ! ٹی ایس ایم مسکرا دیا ۔
اب وہ دروازے کی طرف دوڑے ۔ دروازے کے باہر انھیں ایک بالکل ننھا سا سیاہ رنگ کا بٹن چپکا نظر آیا ۔

شوکی نے اس کو اتار لیا ۔ پھر وہ بائیں باغ میں آئے ۔ باغ والی کھڑکی پر بھی سیاہ بٹن لگا تھا ۔ انھوں نے اس کو بھی اتار لیا ۔ اب دونوں بٹن لے کر اندر آئے ۔ بیگم جمشید ان بٹنوں کو دیکھ کر اچھل پڑیں :
" حیرت ہے ۔ آوازیں سننے کے لیے ان کو تو گھر کے اندر کہیں چپکا دیا جاتا ہے ۔ اور جیرال نے باہر چپکائے ہیں ۔"
" ہو سکتا ہے ۔ یہ اور زیادہ جدید ہوں اور باہر لگا دینے پر بھی اندر کی آوازیں کیچ کر لیتے ہوں ۔ اگر مسٹر ٹی ایس ایم صاحب اس کی اس کارروائی کو نوٹ نہ کر لیتے تو ہمیں اس کے بارے میں ہرگز پتا نہ چلتا ۔ ویسے بھی ۔ یہ حضرت خود بھی تو جیرال کے آدمی ہو سکتے ہیں ۔"
" ہاں ! اس بات کا زبردست امکان ہے ۔" شوکی نے اسے گھورتے ہوئے کہا ۔
" نن ۔ نہیں ۔ میرے بارے میں اس قدر ہولناک ، خوفناک اور ہیبت ناک خیال قائم نہ کریں ۔ ورنہ ..." اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا ۔
" ورنہ کیا " ؟ اشفاق نے برا سا منہ بنایا ۔
" ورنہ میں بے موت مر جاؤں گا ۔"
" بے موت آج تک کوئی بھی نہیں مر سکا ۔" بیگم جمشید مسکرائیں ۔

"میں جیرال کا آدمی ہرگز نہیں ہوں — میں تو اپنا آدمی خود ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی — اپنا آدمی خود ہوں۔" شوکی جل گیا۔

"مطلب یہ کہ کسی کے لیے کام نہیں کرتا — اپنے — اپنے ملک، اپنے دین اور اپنی قوم کے لیے کام کرتا ہوں اور کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"

"خیر خیر — آپ کے بارے میں فیصلہ تو انکل جمشید کریں گے — فی الحال آپ ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں تو رہ سکتے ہیں — اور اگر آپ دوربین گاہ جانا چاہیں تو آپ کی خوشی — ویسے آپ کا نام بہت عجیب ہے۔"

"میں آپ لوگوں کے ساتھ رہ کر زیادہ خوشی محسوس کروں گا۔"

"ہاں! ساتھ رہ کر دوربین سے دیکھنے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔" اخلاق طنزیہ انداز میں بولا۔

"آپ یہ — کر سکتے ہیں — لیکن فیصلہ انکل جمشید ہی کریں گے۔"

"بالکل ٹھیک — لیکن ہمیں آپ سے ہوشیار تو رہنا پڑے گا — کیا پتا، آپ کیا کام دکھا جائیں۔" اشفاق نے منہ بنایا۔

"ضرور ہوشیار رہیں۔"

"اور وہ نام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"میں خود کو ٹی ایس ایم ہی کہلواتا ہوں — اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو پھر طاہر ایس ایم کہہ لیں۔"

"چلیے خیر — ہم اس نام سے گزارا کر لیں گے — یعنی صرف طاہر سے — ورنہ ٹی ایس ایم سے پہلے تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ کسی چائے کا نام ہے — یا چائے کی کمپنی کا نام ہے۔" شوکی نے کہا۔

طاہر بُرے بُرے منہ بنانے لگا تھا — اس کے خاموش ہوتے ہی بولا:

"دیکھیے — آپ اس طرح میرا اور میرے صاف ستھرے نام کا مذاق نہیں اڑا سکتے۔"

"ہم نے مذاق تو اڑایا ہی نہیں — اچھا یہ بتائیں — یہ جیرال کیا چکر ہے؟" شوکی نے بات کو ختم کرنے کے لیے کہا۔

"یہ بات تو مجھے آپ لوگوں سے معلوم ہوئی ہے کہ وہ [illegible] ہے — اگر پہلے سے معلوم ہو جاتی تو میں ضرور اس کا تعاقب کرنے کی کوشش کرتا۔"

"بس بس — رہنے دیں — چلے ہیں جیرال کا تعاقب کرنے — جاؤ۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

"کہاں جاؤں؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"بھئی یار — دماغ مت چاٹیں۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

طاہر ایس ایم نے فوراً اس کے سر کی طرف دیکھا، جیسے
دیکھ رہا ہو ۔ یہ کوئی چاٹنے کی چیز ہے بھی یا نہیں۔" آفتاب
نے بھی اسے ایسا کرتے دیکھ لیا:

"تم میرے سر کو کیوں گھور رہے ہو؟"

"غغ ۔ نن نہیں ۔ غلا ۔ غلطی ہو گئی۔"

"ایک لفظ غلطی بولنے کے لیے جناب نے تین غلطیاں کیں۔
آیندہ خیال رہے۔" آفتاب بھنا اٹھا۔

"مم ۔ معافی ۔ چاہتا ہوں۔"

"معافی کے بھی دو ٹکڑے کر دیے ۔ اماں آخر آپ ہیں کیا
چیز؟" رفعت نے اسے گھورا۔

"ٹی ایس ۔ سوری ۔ طاہر ایس ایم۔"

"ہو گئے ۔ اپنا یہ عجیب و غریب نام سنبھال کر رکھیں۔ مشکل
وقت میں کام آئے گا۔" شوکی نے جلے کٹے انداز میں کہا۔ بیگم
جمشید بے ساختہ مسکرا دیں۔

عین اس وقت کسی نے دروازے پر دستک دی ۔ انھوں نے
چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔ پھر ان کی نظریں
بیگم جمشید پر جم گئیں:

"آپ بتائیں ۔ باہر کون ہو سکتا ہے؟"

"کوئی دشمن ۔ یہ انداز کسی دوست کا نہیں۔" وہ بولیں۔

"دد ۔ دشمن ۔ ارے باپ رے۔" طاہر لگا تھر تھر کانپنے۔

"لیجیے ۔ دشمن صاحب ابھی اندر تشریف لائے نہیں ۔ ان کی
ہوا پہلے ہی سرک گئی۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"ہوا نہیں ۔ سٹی گم ہوئی ہے۔" رفعت ہنسی۔

"دونوں باتیں بھی تو بیک وقت ہو سکتی ہیں۔" اشفاق ہنسا۔

"میں دیکھتی ہوں ۔ تم لوگ ادھر ادھر چھپ جاؤ۔"

"واہ! یہ ٹھیک رہے گا ۔ آپ کتنی اچھی ہیں۔"

اتنی دیر میں وہ دروازے پر پہنچ چکی تھیں ۔ انھوں نے
قدرے بلند آواز میں کہا:

"آپ ۔ کون ہیں؟"

"تجربہ گاہ سے آئے ہیں ۔ آپ لوگوں کو وہاں بلایا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"انسپکٹر جمشید وہاں موجود ہیں ۔ یہاں آپ لوگوں کے لیے
خطرہ ہے ۔ لہٰذا آپ کو وہاں پہنچانا ہے۔"

"لیکن اس کام کے لیے انھوں نے کسی واقف کو کیوں نہیں
بھیجا ۔ وہ اکرام بھائی کو بھیج سکتے تھے ۔ محمد حسین حوالدار کو
بھیج سکتے تھے۔" بیگم جمشید مسکرائیں، پھر بولیں:

"بلکہ وہ فون کر سکتے تھے۔"

"ہاں! فون کر سکتے تھے ۔ لیکن آپ کے لیے وہاں تک

جانا مشکل ہوتا — جیرال کا جال جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے اور اس
جال سے صرف ہم آپ کو بچا کر لے جا سکتے ہیں۔"

"لیکن اکرام بھی تو لے جا سکتے تھے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے — ہمارا نہیں۔"

"لیکن آپ کا یہ خیال کیوں نہیں ہے؟" بیگم جمشید بولیں۔

"آپ تو وکیلوں کی طرح بحث کرتی ہیں۔"

"مجبوری ہے۔"

"تو آپ دروازہ نہیں کھولیں گی؟"

"نہیں۔" وہ بولیں۔

"اچھی بات ہے — کسی کو مدد کے لیے بلانا ہے تو بلا لیں۔
ہم دروازہ توڑ رہے ہیں۔"

"اس کام کے لیے میں خود کافی ہوں۔" انھوں نے منہ بنایا۔

بیگم جمشید فوراً واپس پلٹیں — ادھر دروازے پر کوئی چیز گھر
گھر کرنے لگی —

"شاید وہ دروازے پر برما چلا رہے ہیں۔" شوکی نے گھبرا
کر کہا۔

"بھئی گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"مم — میں کیا کروں — ارے ہاں — میں پائیں باغ کے
ذریعے دوڑ لگا جاتا ہوں۔" طاہر بولا۔

ب بزدل ہو — ابھی ابھی تو بڑی بڑی باتیں کر رہے
ے اشفاق بولا۔

باتیں کرنے میں اور لڑنے میں بہت فرق ہے۔"

ادھر بیگم جمشید گرم پانی کا پائپ لیے اوپر کی طرف دوڑیں،
ت پر پہنچتے ہی انھوں نے پائپ کا منہ کھول دیا — اور
ولتا پانی دروازہ کھولنے والوں پر گرنے لگا، لیکن یہ دیکھ
ان کی سٹی گم ہو گئی کہ وہ اپنی جگہ پر پرسکون انداز میں
ے ہیں —

یہ — یہ تم گوشت پوست کے بنے ہوئے نہیں ہو کیا؟"
شید بولیں۔

نہیں — ہمیں جیرال نے بھیجا ہے — اور وہ آپ لوگوں
بہت اچھی طرح واقف ہیں — لہٰذا جانتے تھے — اس
پر آپ کیا کریں گے؛ چنانچہ انھوں نے ہمیں خاص
بن کر یہاں آنے کی تاکید کی تھی۔"

کوئی پروا نہیں۔" وہ اسی وقت نیچے کی طرف دوڑیں —
دوسرا حربہ اختیار کرنے کے لیے باورچی خانے کا رخ
ہیں کہ دروازہ کھل گیا — اور چھ آدمی اندر داخل ہو
ان کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھیں۔

ے باپ رے — اتنی کلاشن کوفیں۔" طاہر نے تھرتھر

کانپتے ہوئے کہا۔

"خاموش!" شوکی نے اسے ڈانٹا۔

اور وُہ سہم گیا۔

"کیا چاہتے ہو دوستو؟"

"تم لوگوں کو تجربہ گاہ پہنچانا ہے — اس لیے کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے اسسٹنٹ بھی وہاں پہنچ چکے ہیں اور پوری طرح ہمارے قبضے میں ہیں — اب تم لوگوں کی کمی وہاں شدّت سے محسوس کی جا رہی ہے۔"

"ان حالات میں تو ہم خود خوشی سے وہاں جانا پسند کریں گے۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"یہ اور اچھی بات ہے — باہر گاڑی کھڑی ہے — چپ چاپ اس میں بیٹھ جاؤ — اگر کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو بُری طرح پیش آئیں گے۔"

"لل — لیکن جناب! میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔" طاہر نے گھبرا کر کہا۔

"تعلق نہ سہی، لیکن تم جاسوسی ضرور کر رہے تھے — یہاں ہونے والی ساری گفتگو مسٹر جیرال سُن چکے ہیں — لہٰذا تمہیں بھی جانا ہو گا۔"

"ارے باپ رے — مارا گیا پھر تو میں۔"

"ہاں! اس میں شک نہیں۔"

"دد — دیکھیے — میں بہت غریب آدمی ہوں۔" طاہر نے کانپ کر کہا۔

"غریب آدمی کار اور دُوربین کے مالک نہیں ہوتے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اوہ! یہ تو یہ بات بھی جانتے ہیں۔" طاہر نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! لہٰذا اب خاموش رہیں — ان کے ساتھ جانا ہی ہو گا — آپ کو تو خوش ہونا چاہیے — وہاں انکل جمشید اور انکل جیرال سے ملاقات ہو گی۔"

"یہ بات جس قدر خوشی کی ہے، اسی قدر ہولناک بھی تو ہے — جیرال کافی ہولناک نام ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

اور پھر وہ کلاشن کوفوں کے سائے میں باہر کھڑی بڑی گاڑی میں بیٹھ گئے — دروازہ جوں کا توں چھوڑ دیا گیا — گاڑی چل پڑی — تھوڑی دیر بعد وُہ تجربہ گاہ کے دروازے پر رکی — پچھلا دروازہ کھولا گیا:

"چلیے جناب — تجربہ گاہ آ گئی — اندر چل کر انسپکٹر جمشید اور مسٹر جیرال سے مُلاقات کر لیجیے۔" ایک نے طنزیہ انداز میں کہا۔

انہیں اندر لایا گیا — پروفیسر داؤد والے کمرے میں جُونہی

وہ داخل ہوئے ۔ ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے رہ گئے۔

انسپکٹر جمشید ، اکرام اور باقی لوگ کرسیوں پر رسیوں ذریعے بندھے ہوئے تھے ۔ جب کہ ایک شخص ان کے آرام کرسی میں ہلکورے لے رہا تھا ۔ ان کی طرف دیکھ اس نے کہا :

" خوش آمدید ۔ آپ کا ہی انتظار تھا ۔ اب ہ دعوت " اس نے مسکرا کر کہا ۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی ۔

اُمید کی آخری کرنیں

" آپ کی آنکھوں میں خوف اور حیرت کا مطلب یہ ہے کہ میرا اندازہ بالکل درست ہے ۔ تو اڑن طشتری میں اس بار کسی دوسرے سیارے کی مخلوق آئی تھی ۔ اور انشارجہ اس خبر کو چھپانا چاہتا ہے ؟"

" ہاں ! یہی بات ہے ۔" پروفیسر ارسلان نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا ۔

" اور آپ نے اپنے آلات کے ذریعے اس مخلوق کو دیکھ لیا تھا ۔"

" ہاں ! یہی بات ہے ۔"

" تو پھر ۔ آپ نے یہ خبر ہماری حکومت کو کیوں نہیں دی ، اپنے تک کیوں رکھی ۔ کیا صرف اس لیے کہ ایم برٹن سے آپ کے دوستانہ تعلقات ہیں اور اس نے آپ کو کوئی بہت بڑا لالچ دیا تھا ۔ یہ کہ اگر آپ یہ خبر چھپائے رہیں گے

تو انشارجہ کی طرف سے ایک بہت بڑی رقم آپ کو ملے گی، میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟

"نن — نہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"بہت خوب! مخلوق کون سے سیارے کی ہے؟"

"سیارے کا نام چلی بائی ہے۔"

"چلی بائی — اچھا — پہلے یہ نام سننے میں نہیں آیا۔"

"مخلوق نے یہی نام بتایا تھا۔"

"بہت خوب! تو وہ نام بتانے کے قابل تھا؟"

"نن — نہیں — اسے اس قابل بنایا گیا تھا۔"

"تو کیا — وہی مخلوق اس وقت ہمارے ملک میں جیرال کی صورت میں موجود ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہاں! آپ نے سو فیصد درست نتیجہ نکال لیا۔"

"لیکن یہ نتیجہ آپ کے لیے حد درجے تکلیف دہ ثابت ہو گا۔"

"اب مجھے پروا نہیں رہ گئی — مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے — میں رقم کے لالچ میں آ گیا — اور ایک اتنی بڑی خبر چھپا لی — اب جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔"

"ہاں! یہ خبر تو پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دے گی — اب ہم اس خبر کو اخبارات میں شائع کریں گے۔"

"لیکن آپ کو یہ فرصت نہیں ملے گی — مسٹر جیرال یہاں پہنچ چکے ہیں — وہ کیا منصوبہ لے کر آئے ہیں — یہ تو میں جانتا نہیں — لیکن کوئی بہت خوفناک مسئلہ ہے — اسی لیے وہ مجھے ملک سے باہر بھیج دینے کے لیے تیار ہیں — اور میں بہت جلد یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔" پروفیسر ارسلان نے کہا۔

"آپ ہمارے ملک کے مجرم ہیں — ہم آپ کو فرار نہیں ہونے دیں گے۔"

"مجھے یہاں سے انشارجہ یا کسی اور ملک میں پہنچانا — مسٹر جیرال کا کام ہے — یہ کام انہی کو کرنا ہے، لہٰذا میں اس بارے میں کیوں سوچوں کہ میں یہاں سے فرار ہو سکوں گا یا نہیں۔"

"جو آدمی چلی بائی سے آیا — کیا اس کی شکل صورت جیرال سے ملتی جلتی ہے؟"

"صرف ملتی جلتی نہیں — سو فیصد جیرال جیسی ہے — پھر اس کی عادات اور اطوار کی فلمیں اس مخلوق کو دکھائی گئیں اور اس طرح اسے مکمل طور پر جیرال بنایا گیا — یہ تمام باتیں ایم برٹن نے مجھے بتائی ہیں، کیونکہ ایم برٹن جانتے ہیں — میں ان کا آدمی ہوں۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بلکہ مسٹر انسپکٹر کامران مرزا اگر میں ایک اور خبر آپ کو سُنا دوں تو مارے حیرت کے آپ لوگوں کا بُرا حال ہو گا۔"

"ہمارا دعویٰ ہے کہ بُرا حال نہیں ہو گا۔ چاہے آپ کتنی حیرت انگیز خبر کیوں نہ سُنا دیں۔"

"بھئی دیکھ لیں۔۔۔ میں جو خبر سُنا سکتا ہوں۔ اس سے دُنیا کے صرف چند آدمی واقف ہیں۔"

"اس کے باوجود ہم حیران نہیں ہوں گے۔ آپ تجربہ کر لیں۔" انھوں نے کہا۔

"خیر میں ابھی خبر سُنا دیتا ہوں۔۔۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔۔۔ مسٹر جیرال۔۔۔ جو دوسرے سیارے سے آئے ہیں۔ انھوں نے بتایا ہے کہ اس سیارے کی آبادی میں۔۔۔ نہ صرف یہ کہ وہ موجود تھا۔۔۔ بلکہ وہاں انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز یہ سب لوگ موجود ہیں۔"

"نہیں !!!" وہ واقعی دھک سے رہ گئے۔۔۔ یہ بات انھوں نے کبھی اپنے وہم و گمان میں بھی نہیں سوچی تھی۔ چند سیکنڈ تک ان پر سکتے کا عالم طاری رہا۔۔۔ ایسے میں پروفیسر ارسلان نے کہا:

"کیا خیال ہے۔ آپ لوگ حیرت زدہ ہوئے یا نہیں؟"

"ہاں! آپ جیت گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تب تو ہم پھر اس سیارے کی سیر کو ضرور جائیں گے۔" آفتاب نے زوردار لہجے میں کہا۔

"کیا۔۔۔ بھئی واہ۔۔۔ بہت خوب صورت آئیڈیا ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ کیسے جائیں گے۔۔۔ جیرال تک تو وہاں جانے کے قابل رہا نہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔۔۔ جانے کے قابل ہوں گے تبھی جائیں گے نا۔"

"ہاں اور کیا۔۔۔ ویسے بات ہے بہت زوردار۔۔۔ اور میں سوچ رہا ہوں۔۔۔ اگر کبھی ہم وہاں پہنچ گئے اور ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تو کس قدر عجیب لگے گا۔"

"خیر۔۔۔ اللہ کو منظور ہوا تو ہم وہاں ایک دن ضرور جائیں گے۔۔۔ اب ہم آپ کو گرفتار کر رہے ہیں، کیونکہ ہم جلد از جلد انسپکٹر جمشید تک پہنچ جانا چاہتے ہیں۔۔۔ میں بہت بڑا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"آپ لوگوں کو محسوس کرنا بھی چاہیے، لیکن مشکل یہ ہے کہ مسٹر جیرال تو اصل منصوبے کی ہوا تک نہیں لگنے دیں گے۔ آپ کر کیا لیں گے۔"

"ہم وہ کر لیں گے جو ہمارے اللہ کو منظور ہو گا اور بس، اس سے زیادہ تو ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔"

اس نے اپنا سر جھکا دیا — انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً آئی جی شیخ نثار احمد سے رابطہ کیا اور پھر وہاں فوراً پولیس کے اہم لوگ پہنچ گئے، کیونکہ یہ مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں تھا — خود آئی جی صاحب بھاگے چلے آئے تھے — انھیں یہ تمام باتیں تفصیل سے بتائی گئیں تو ان کی سٹی بھی گم ہو گئی — شیخ صاحب چلا اُٹھے :

"لیکن انسپکٹر جمشید کہاں ہیں؟"

"وہ جہاں بھی ہیں — ہم ان تک پہنچ جائیں گے اور پھر مل کر جیرال کے منصوبے کا خاتمہ کریں گے اِن شاء اللہ۔"

"مجھے آپ لوگوں سے یہی امید ہے — بلکہ آپ تو ہمارے ملک کی اُمید کی آخری کرنیں ہیں۔"

"آخری کرنیں۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں — کیا ہوا بھئی — کیا تم لوگ آخری کرنیں نہیں ہو سکتے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ تو خیر بعد کی بات ہے کہ ہم آخری کرنیں ہو سکتے ہیں یا نہیں — لیکن اس سے پہلے یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"حد ہو گئی — تم فاروق ہو گیا۔" فرحت نے جھلا کر کہا۔

"ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت بالکل نہیں ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا اور جلدی سے شیخ

صاحب سے بولے :

"ہمیں تو آپ اجازت دیں — مارے خوف کے میرا بُرا حال ہے — پروفیسر ارسلان فرار نہ ہونے پائیں۔"

"کیا فرمایا آپ نے — مارے خوف کے — آپ اور خوفزدہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" آفتاب بولا۔

"یعنی ہم نہیں جانتے — منصوبہ کیا ہے — جب کہ جیرال پوری طرح حرکت میں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں — جلدی کیجیے۔" آصف نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے سیدھے انسپکٹر جمشید کے گھر کی طرف روانہ ہوئے — دروازے پر پہنچ کر انھیں ایک دھکا سا لگا، کیونکہ دروازہ کھلا تھا — اور انسپکٹر جمشید کے دروازے کا کھلا ملنا خیریت کے نہ ہونے کی کھلی نشانی تھی —

"معلوم ہوتا ہے، اندر کوئی بھی نہیں ہے — جیرال یہاں بھی وار کر گیا ہے۔" انھوں نے اندر داخل ہونے سے پہلے کہا۔

"تب پھر اندر داخل ہونے سے پہلے بہت احتیاط کرنا ہو گی۔" فرحت بولی۔

"اس طرح وقت ضائع ہو گا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور بے دھڑک اندر داخل ہو گئے — ایک نظر دیکھ کر ہی وہ پکار اُٹھے :

"اغوا کر لیے گئے۔"

"آپ کا مطلب ہے — انکل جمشید بھی۔" آصف کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ میں نہیں جانتا کہ کون کون اغوا ہوا ہے — ایک منٹ ٹھہرو۔" یہ کہہ کر انھوں نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے فوراً ظہور کی آواز سنائی دی:

"میں ظہور احمد ہوں درجہ اوّل۔"

"کیا مطلب — یہ درجہ اوّل کیا ہوا؟"

"جیسے مجسٹریٹ یا جج صاحبان نہیں ہوتے درجہ اوّل — میں یہاں کا ملازم ہوں درجہ اوّل — ارے! یہ آواز تو کامران مرزا صاحب کی ہے — حد ہو گئی — پتھر پڑ گئے میرے کانوں پر شاید۔" ظہور نے کہا۔

"وقت بہت نازک ہے — خان صاحب کہاں ہیں؟"

"صبح سے ڈنڈ پیل رہے ہیں — اپنے جسم کو فولاد سے بھی زیادہ مضبوط بنانے کے چکر میں ہیں آج کل۔"

"میری ان سے بات کراؤ — ذرا جلدی۔"

"جی اچھا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

جلد ہی خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"السلامُ علیکم!" آواز ہانپ رہی تھی —

"خان رحمان — انسپکٹر جمشید کی کیا خبر ہے — اور ان کے بیوی بچوں کی؟"

"مم — میں نہیں جانتا — میں تو ڈنڈ . . ."

"ہاں! میں جانتا ہوں — خیر — فوراً تیار ہو جاؤ — اور میرے دوبارہ فون کا انتظار کرو۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے فون بند کر دیا — اب انھوں نے پروفیسر داؤد کے نمبر ڈائل کیے — دوسری طرف سے فوراً ریسیور اٹھایا گیا:

"السلامُ علیکم — پروفیسر داؤد بات کر رہا ہوں۔"

"وعلیکم السلام — انسپکٹر کامران مرزا بات کر رہا ہوں۔"

"ہا — انسپکٹر کامران مرزا یہ تم ہو — ارے بھئی — فوراً یہاں آؤ — باقی سب لوگ بھی یہیں ہیں۔"

"بس یہی معلوم کرنا تھا، ہم آ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا اور پھر بولے:

"اُف مالک — اب کیا کریں؟"

"کیا ہوا ابا جان؟" آفتاب بولا۔

"یہ پروفیسر داؤد نہیں — جیرال بات کر رہا تھا — گویا تجربہ گاہ پر اس کا قبضہ ہے۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"ہاں ! اس میں کوئی شک نہیں — ارے ہاں — خان رحمان"
وہ بولے اور ایک بار پھر انھوں نے ان کے نمبر ملائے :

"خان رحمان غور سے سُنو ، ہم بہت سنگین حالات سے دوچار ہیں — فوراً تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ — ادھر ہم روانہ ہو رہے ہیں۔"

"کہاں سے — مُلک کے مشرقی حصّے سے ؟"

"ارے نہیں — میں اس وقت انسپکٹر جمشید کے گھر سے بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ اچھا۔"

"اور جب تک ہم تم سے وہاں نہ مل لیں — تم تجربہ گاہ کے اندر داخل نہ ہونا۔"

انھوں نے فوراً ریسیور رکھ دیا اور تیزی سے باہر نکلے — اب ان کی کار ہوا سے باتیں کر رہی تھی — وہ عین اس وقت تجربہ گاہ کے سامنے پہنچے ، جب کہ خان رحمان پہنچے :

"یہ اچھا رہا — نہ ہمیں ان کا انتظار کرنا پڑا ، نہ انھیں ہمارا۔"

پہلے وُہ ایک دُوسرے سے ملے — پھر خان رحمان نے انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد سے اپنی آخری مُلاقات کے بارے میں بتایا — اس کے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے بھی جلدی جلدی مختصر طور پر انھیں حالات بتائے ، پھر وُہ بولے :

"انسپکٹر جمشید کے گھر پہنچ کر پہلے میں نے تمھیں فون کیا ، پھر تجربہ گاہ فون کیا — جانتے ہو — وہاں فون پر کس نے مجھ سے بات کی ؟"

"کس نے ؟" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"خود جیرال نے پروفیسر داؤد کی آواز میں بات کی تھی۔"

"کیا !!!" خان رحمان چلّائے۔

KHAN STATIONERS &
GENERAL STORE
Shop F/890, Bhabra Bazar,
Nishtar Road, Rawalpindi.

KHAN STATIONERS &
GENERAL STORE
Shop F/890, Bhabra Bazar,
Nishtar Road, Rawalpindi.

KHAN STATIONERS &
GENERAL STORE
Shop F/890, Bhabra Bazar,
Nishtar Road, Rawalpindi.

اللہ کو یاد کرو

"آپ جانتے ہیں انسپکٹر جمشید — یہ فون کس کا ہے؟"

"ہاں جانتا ہوں — انسپکٹر کامران مرزا کا۔" وہ مسکرایا۔

"بہت خوب — مان گیا آپ کو بھی — لیکن میں یہ فون یہاں نہیں سنوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور سیٹ لے کر کہیں دور چلا گیا — پھر واپس پلٹا تو اس کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ ناچ رہی تھی:

"وہ واقعی انسپکٹر کامران مرزا تھے — آپ لوگوں کے لیے بہت پریشان — میں نے پروفیسر داؤد بن کر ان سے بات کی ہے — لہٰذا وہ بھی آ رہے ہیں۔"

"نن — نہیں۔" اکرام نے بوکھلا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید کے چہرے کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی — نرال کی نظر ان کے چہرے پر پڑی تو وہ زور سے چونکا،

پھر تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گیا:

"ان حضرت کو کیا ہوا؟"

"شاید اس نے میری مسکراہٹ کا مطلب سمجھ لیا ہے۔"

"جی کیا فرمایا — مسکراہٹ کا مطلب؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! جب اس نے بتایا — کہ اس نے پروفیسر داؤد کی آواز میں انسپکٹر کامران مرزا سے بات کی ہے تو میں بھرپور انداز میں مسکرا دیا — ادھر اس نے مجھے مسکراتے دیکھ لیا اور وہ میری مسکراہٹ کا مطلب جان گیا — کاش — میں نہ مسکرایا ہوتا۔"

"لیکن آپ کے مسکرانے سے وہ کیا مطلب سمجھ گیا؟"

"یہ کہ انسپکٹر کامران مرزا اس کی آواز کو پروفیسر داؤد کی آواز ہرگز خیال نہیں کر سکتے — یہ اس کی بھول ہے۔"

"اوہ — پھر اب وہ کیا کرے گا؟"

"انسپکٹر کامران مرزا کے لیے نیا جال تیار کرے گا۔"

"حیرت تو اس پر ہے — کہ یہ جیرال آ کہاں سے گیا — وہ زندہ کیسے ہو گیا؟"

"اس سوال کا جواب انسپکٹر کامران مرزا دیں گے — ان کا ہمارے گھر پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات کی تہ

تک پہنچ چکے ہیں — ورنہ وہ ہمارے گھر کا رُخ نہ کرتے۔"

عین اس وقت کمرے میں ایک تیز ترین گیس کی بُو محسوس ہوئی — ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا — انھوں نے بہت کوشش کی کہ اس گیس کو سانس کے ساتھ اندر نہ جانے دیں، جب تک ممکن ہوا، وہ سانس روکے رہے، لیکن آخر کار انھیں سانس لینا پڑا اور وہ بے ہوش ہو گئے —

ہوش آیا تو وہ تجربہ گاہ کے تہ خانے میں تھے — اب شوکی برادرز بھی رسیوں سے بندھے نظر آئے — یہ تہ خانہ پروفیسر داؤد نے خاص مقاصد کے لیے بنوایا تھا — اپنے خفیہ قسم کے تجربات وہ یہاں کرتے تھے، اس لیے یہاں ہر چیز کا انتظام تھا — ان سب کو کرسیوں پر بٹھا کر باندھا گیا تھا — تہ خانہ خوب روشن تھا، لیکن اس کی روشنی اور آواز اوپر تجربہ گاہ میں نہیں جا سکتی تھی — اب انھیں اطمینان اور سکون سے ایک دوسرے کا جائزہ لینے کا موقع ملا:

"یہ تم لوگوں کے ساتھ کون صاحب ہیں؟" ایسے میں انسپکٹر جمشید کی نظریں ٹی ایس ایم پر پڑیں تو وہ پوچھ بیٹھے —

"یہ ٹی ایس ایم ہیں — آپ انھیں طاہر ایس ایم کہہ سکتے ہیں۔"

"عجیب سا نام ہے — خیر — ان کی تعریف؟"

طاہر خوش ہو گیا — پھول کر کُپّا ہو گیا — حالانکہ ابھی انسپکٹر

جمشید نے صرف اتنا کہا تھا — ان کی تعریف — یعنی یہ کون ہیں — اسے اس درجے خوش دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے:

"آپ پر جناب — خوش ہونے کے دورے تو نہیں پڑتے؟" فاروق بولا۔

"نن — نن — نن۔" وہ ہکلایا۔

"یعنی تین نن — مگر تین کیا — آپ سات بار بھی نن بول دیں گے — تب بھی بات واضح نہیں ہو گی۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ایک منٹ ٹھہرو — شوکی کو بات کرنے دو۔" انسپکٹر جمشید نے انھیں گھورا۔

شوکی نے اس کے بارے میں بتایا — انسپکٹر جمشید چند سیکنڈ تک اسے گھورتے رہے، آخر انھوں نے کہا:

"اُلجھن میں ڈال دیا ہے نوجوان — یا تو پکے چار سو بیس ہو — یا پھر پکے مجاہد ہو۔"

"پچ — چار سو بیس — ارے باپ رے۔"

"کیوں کیوں — گھبرا کیوں گئے؟"

"ام — میں کچھ نہیں کہوں گا — آپ خود میرے بارے میں اندازہ لگائیں — اس لیے کہ آپ اندازے قائم کرنے میں بہت تیز ہیں۔"

"میں اندازہ لگا لوں گا ــــ تم فکر نہ کرو ــ ارے ہاں ــ فون نمبر کیا ہے تمھارا؟"

"جی ــــ فون نمبر ــــ فون نمبر پانچ چار سو بیس ہے۔"

"واہ ــــ کیا نمبر مارا ہے ــــ پانچ چار سو بیس ــ اب اس میں کیا شک رہ گیا کہ آپ جناب چار سو بیس ہیں، بلکہ پانچ گنا چار سو بیس ہیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے جھنّا کر کہا۔

"ہائیں! تو کیا تم گونگے ہو؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں انسپکٹر کامران مرزا کے بارے میں سوچ رہا ہوں ــ کیا تم لوگ اندازہ لگا سکتے ہو ــ وہ اب کیا کریں گے ــ تجربہ گاہ تک تو وہ کب کے پہنچ چکے ہوں گے اور اندر خطرے کو بھی وہ بھانپ چکے ہیں۔"

"تب وہ خاموشی سے اندر داخل ہوں گے جیسے آپ داخل ہوئے، لیکن جیرال کے جال میں پھنس جائیں گے۔"

"مسٹر ٹی ایس ایم ــ آپ بتا سکتے ہیں ــ ہمارے انکل کیا کریں گے؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"بہت خوب ــ بتاؤ بھئی۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ اندر داخل ہی نہیں ہوں گے ــ باہر رہ کر تیل دیکھیں

گے، تیل کی دھار دیکھیں گے۔"

"ارے ــــ ہماری نقل نہ مارو۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لیکن یہ محاورہ تو میں نے میٹرک کی اردو گرامر کی کتاب میں پڑھا تھا کبھی ــــ یہ نقل مارنا کیسے ہو گیا۔" طاہر نے جلدی سے کہا۔

"جواب معقول ہے۔" محمود مسکرایا۔

"میرا خیال ہے ــــ انسپکٹر کامران مرزا باہر رہ کر صبر نہیں کر سکتے ــــ وہ اندر ضرور آئیں گے۔"

"اور اندر جیرال کا جال تیار ہے، کیونکہ ہمیں تہ خانے میں بند کرنے کا مقصد ہی یہی ہے۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی کچھ عرض کر سکتی ہوں۔" رفعت کی آواز سنائی دی۔

"ضرور کیوں نہیں ــــ ہم تو بھول ہی گئے تھے کہ تم بھی یہاں موجود ہو ــــ شکر ہے ــ یاد تو آیا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"یاد آیا نہیں ــــ میں نے یاد دلایا ہے کہ میں بھی یہاں موجود ہوں۔" رفعت نے برا سا منہ بنایا۔

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے ــــ خیر تم بتاؤ ــ انکل کیا کریں گے" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن فرزانہ ــ آج تمھاری عقل کو کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں — میں تو جانتی ہوں — انکل کیا کریں گے۔"

"ارے — تم جانتی ہو — تم اب تک منہ میں کیا گھنگنیاں ڈالے بیٹھی تھیں۔" محمود نے جل کر کہا۔

"یہ بات نہیں — میں نے سوچا تھا — پہلے سب اپنی اپنی رائے دے لیں — پھر میں بات کروں گی — لہٰذا پہلے رفعت۔"

"اچھی بات ہے — یونہی سہی۔" رفعت نے بُرا مان کر کہا۔

"اس میں بُرا ماننے کی بات نہیں۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"خیر کوئی بات نہیں — جس میں برا ماننے کی بات ہو — بتا دینا — مان جاؤں گی۔" رفعت بولی۔

"اوہو! ہمارے کان کاٹنے کی تیاری ہو رہی ہے۔"

"طاہر بھائی — آپ دیکھ رہے ہیں — میں نے ان میں سے کسی کے کان تو نہیں کاٹے؟"

"نن نہیں — تو — سب بالکل نہیں کاٹے — میں چشم دید گواہ ہوں۔"

"کیا کہا — طاہر بھائی — ایک دم بھائی بھی بنا لیا — اس شخص کو جس کے بارے میں ابھی تک ابا جان تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔"

"تو فیصلہ ہونے تک بھائی بنا لینے میں کیا حرج ہے۔"

فرزانہ مسکرائی۔

"سو بار بنا لو، لیکن ایسے بھائی کام نہیں آئیں گے۔"

"دد — دیکھیے — آپ میری توہین کر رہے ہیں — اور میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اچھا تو نہ کرو — کیا کر لو گے تم؟"

"فی الحال صبر — کیونکہ ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں۔"

"ارے ہاں — یاد آیا — ابا جان — آخر ہم ان رسیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے۔" محمود چونکا۔

"اس لیے کہ یہ کوشش میں بہت پہلے کر چکا ہوں۔"

"جی کیا مطلب؟"

"یہ رسیاں ہاتھ پیر ہلانے سے اور کستی ہیں، لہٰذا تم ایسی کوئی کوشش نہ کرنا — میں انتہائی تکلیف میں ہوں — کیونکہ اس کوشش کے نتیجے میں رسیاں میرے گوشت میں دھنس گئی ہیں۔"

"اور پھر بھی آپ ہنس رہے ہیں، مسکرا رہے ہیں، باتیں کر رہے ہیں — جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ تم پریشان نہ ہو جاؤ — اور یہ بتا کر میں نے تمہیں پریشان تو پھر بھی کر دیا — لیکن تم لوگوں کو خبردار کرنا بھی ضروری تھا۔"

"لیکن ابا جان! ہم ان کرسیوں کو دیوار پر مار کر توڑ تو

سکتے ہیں۔"

"جکڑا اس طرح گیا ہے کہ ہم کرسیوں کو لے کر اُٹھ نہیں
دوسرے یہ کہ اُٹھنے کی کوشش میں بھی تو رسیاں اور کس جائیں
"اوہ — اس کا مطلب ہے — ہم محمود کا چاقو بھی کام
نہیں لا سکتے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ محمود کا چاقو جوتے کی ایڑی میں
جیرال نے رہنے ہی نہیں دیا ہوگا — اور دوسری بات
یہ کہ ہم چاقو استعمال کرنے کے قابل نہیں ہیں — تیسری با
یہ کہ شاید وہ چاقو ان رسیوں کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔"

"لیجیے — اب رسیوں کے بھی بال نکلنے لگے — کمال کر دیا"
آفتاب مسکرایا۔

"ان حالات میں اور میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔" وہ مسکرائے

"حیرت ہے — اب تک کوئی کارروائی شروع نہیں ہو
آخر یہ انسپکٹر کامران مرزا کر کیا رہے ہیں۔"

"سوال یہ ہے انکل — اگر انکل کامران مرزا بھی ہماری طر
پھنس گئے تو کیا ہوگا — جیرال تو اپنے منصوبے پر عمل
ہو چکا ہوگا۔" شوکی نے کہا۔

"عمل پیرا تو وہ پہلے سے ہو چکا ہے — مجھے تو شدید گھ
ہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گھبراہٹ اور آپ کو — اگر آپ کو گھبراہٹ ہو رہی
ہے تو پھر ہم تو مارے گئے — ہمیں تو نہ جانے کیا کیا
کچھ ہونا چاہیے۔"

"لیکن گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا۔" اشفاق کی آواز سنائی دی۔

"ہاں بالکل — ہمیں اللہ کو یاد کرنا چاہیے۔"

وہ خاموش ہو گئے — ان کی زبانیں ذکر کرنے میں
لگ گئیں — اچانک انھیں یوں لگا — جیسے اوپر کوئی زبردست
دھماکا ہوا ہو —

ان کے دل دھک دھک کرنے لگے —

خوفناک خطرہ

"ہاں! بات جیرال نے کی تھی — اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تجربہ گاہ پر اس وقت جیرال کا قبضہ ہے اور ہمارے ساتھی اس کے قابو میں ہیں — لہٰذا ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اب کیا کریں — اندر جیرال کا جال ہمارے لیے تیار ہوگا — اور جیرال کا جال، بہت خوفناک جال ہوتا ہے، جال کا رخ تک سمجھ میں نہیں آتا — پھر وہ جدید ترین سائنسی چیزوں اور آلات سے کام لیتا ہے — اب جلدی سے غور کر کے بتاؤ، ہم کریں تو کیا؟"

"ہمیں خفیہ طور پر اندر داخل ہونا پڑے گا۔"

"یہ بات جیرال بھی جانتا ہے — کہ ہم خفیہ طور پر اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔"

"تب پھر ہم ڈبل کوشش کریں گے۔" ایسے میں فرحت بولی۔

"کیا کہا — ڈبل کوشش۔" وہ چونک اٹھے۔

"ہاں! وہ ایسے کہ میں اور انکل خان رحمان دروازے پر دستک دیں گے — آپ پچھلی طرف سے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں۔"

"بہت خوب! ان حالات میں اس سے بہتر ترکیب کوئی نہیں ہو سکتی۔" خان رحمان بولے۔

"خیر — ہم یہی کر لیتے ہیں — کیونکہ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا، لیکن میں جانتا ہوں — جیرال بھی اس رخ سے سوچ چکا ہوگا۔" انھوں نے کہا۔

"تب پھر آپ بتائیں — ان حالات میں ہم کیا کریں۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"کچھ نہیں — بس یہی کریں گے — لیکن ذرا مجھے مزید غور کرنے دو — دوسرے یہ کہ ہمیں اسلحے سے بھی لیس ہونا چاہیے۔" وہ بولے۔

"آپ جیسے حکم فرمائیں — ہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

انسپکٹر کامران مرزا سوچ میں ڈوب گئے — کافی دیر سوچتے رہے، پھر انھوں نے انھیں ہدایات دیں اور ہتھیار بھی دیے، اس کے بعد فرحت اور خان رحمان صدر دروازے کی طرف بڑھے، جب کہ آصف اور انسپکٹر کامران مرزا نے پچھلی طرف کا رخ کیا — انھوں نے وقت بھی طے کر لیا تھا کہ خان رحمان

کس وقت دستک دیں گے — پچھلی طرف پہنچ کر انھوں نے
وقت دیکھا، پھر سفیدے کے اس درخت کے نیچے پہنچ گئے
جس کے ذریعے انسپکٹر جمشید اندر پہنچے تھے — انھیں بھی اس
درخت کا پتا تھا — لہٰذا پہلے وہ اس پر چڑھے، پھر
دیوار پر اُترے اور ریشم کی ڈوری کی مدد سے نیچے اُتر گئے
ان کے پیچھے آفتاب اور آصف بھی درخت پر چڑھ چکے تھے
پھر دیوار پر آ گئے تھے — عین اس وقت فرحت صدر
پر دستک دے رہی تھی — انھوں نے باغ کا جائزہ
اس میں کوئی نہیں تھا — انھوں نے آفتاب اور آصف
بھی نیچے آنے کا اشارہ کیا، وہ رسّی پر پھسلتے ان کے
پہنچ گئے — وہ انتظار کرنے لگے —

اچانک انھوں نے صدر دروازے کی طرف ایک ہلکے
دھماکے کی آواز سُنی:

"میرا خیال ہے — ان پر وار ہو گیا۔" انسپکٹر کامران
نے گھبرا کر کہا اور دوڑنے لگے — آفتاب اور آصف بھی
کے پیچھے دوڑے — چکر کاٹ کر انھیں صدر دروازے
طرف آنا پڑا — فوراً ہی ایک اور دھماکا ہوا — یہ
پہلے کی نسبت بڑا تھا — انھیں اپنے پیروں کے نیچے
زمین نکلتی محسوس ہونے لگی — اور پھر انھیں کوئی

رہا —
کچھ دیر بعد وہ بھی کرسیوں سے بندھے تہ خانے میں موجود
تھے — اور جیرال آرام کرسی میں بیٹھا ہلکورے لے رہا تھا —
انھیں ہوش میں آتے دیکھ کر وہ ہنسا:
"لو انسپکٹر جمشید — تمھاری ساری ٹیم پوری ہو گئی — اب مجھ
سے سنو — کیونکہ یہ خبر سنا کر میں یہاں سے چل دوں گا —
تم لوگ اگر خود کو ان رسیوں سے نجات دلا سکو — تو فوراً
عوامی ہال پہنچنے کی کوشش کرنا۔"
"عوامی ہال — کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید بوکھلا اُٹھے۔
"ہاں! عوامی ہال — وہاں اس وقت تمھاری قوم کے تمام
بڑے بڑے لیڈر جمع ہیں — آج تمام رات وہ وہاں جشن
منائیں گے — آزادی کا جشن — میں نے ایک وزیر کے ذریعے
آزادی کا جشن منانے پر انھیں مجبور کر دیا ہے — وہ تمام
رات جشن منائیں گے اور پھر صبح ٹھیک چار بجے ..."
وہ کہتے کہتے رک گیا — اس کا چہرہ آگ کی طرح سُرخ
ہو گیا — آنکھیں گویا جلنے لگیں — لہجہ اس قدر خوفناک تھا
کہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا تک کے رونگٹے کھڑے
ہو گئے:
"چار بجے کیا؟" انسپکٹر جمشید کو خود اپنی آواز دُور کسی اندھے

کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

"ٹھیک چار بجے ہو گا — جس کے لیے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے — پہلے میں نے اپنی تیاریاں مکمل کی تھیں، پھر میں آپ کے گھر آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آیا تھا اگر میں ملاقات کے لیے نہ آتا اور پردے میں رہ کر اپنے منصوبے پر عمل کرتا تو شاید میں کامیاب نہ ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ پُراسرار دعوت آپ لوگوں کو ضرور چونکا دیتی — لہٰذا میں نے اس کا انتظام کیا کہ آپ لوگ چونک بھی نہ سکیں — اور جب میرے بتانے پر چونکنے کے قابل ہوں تو کچھ کر نہ سکیں — اس جگہ سے عوامی ہال کا فاصلہ آدھ گھنٹے کا ہے — تیز ترین ڈرائیور بھی آدھ گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچ سکتا — فون وہاں کوئی سنے گا نہیں — کیونکہ وزیر صاحب نے یہ تجویز رکھی ہے کہ آج کے دن وہ کوئی فون نہیں سنیں گے — یہ تجویز دراصل میری ہے — لہٰذا عوامی ہال کے فون اگر ایک ساتھ بھی بجنے لگیں، تب بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی — رسیوں سے آزاد ہونے میں آپ لوگوں کو پورے چار گھنٹے لگ جائیں گے — گویا پورے ساڑھے چار گھنٹے بعد جب آپ لوگ عوامی ہال تک پہنچنے کے قابل ہوں گے — تو عین اس لمحے دھماکا ہو

گا — ایک ایسا دھماکا کہ آپ لوگوں کی روحیں تک کانپ اٹھیں گی — آپ لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا — کہ وہ دھماکا کیسا ہو گا — کس قسم کا ہو گا — بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتاؤں گا — اور جس وقت پہلا دھماکا ہو گا — اس وقت میرا جہاز انشارجہ کے لیے پرواز کر چکا ہو گا — میری سیٹ اس جہاز پر بُک ہے — ایک عام آدمی کی حیثیت سے — میں میک اَپ میں ہوں گا اور بیوی میرے ساتھ ہو گی — لیکن اس کے باوجود کوئی مجھے پہچان نہیں سکے گا — چلتے چلتے ایک آخری بات اور بتا دوں — یہ سارا چکر میں نے صرف اور صرف ایک رومال کے ذریعے چلا لیا — صرف ایک رومال سے آپ لوگوں کو شکست دے دی — اچھا اب میں جا رہا ہوں — اب سے ٹھیک ساڑھے چار گھنٹے بعد دھماکا ہو گا — ساڑھے چار سے اگر ایک گھنٹا پہلے آپ لوگ عوامی ہال تک پہنچ جائیں — تو شاید کچھ کر سکیں — لیکن اُمید ہرگز نہیں ہے، کیونکہ میں اپنا کام پکا کر چکا ہوں — کاش آپ لوگ سمجھ سکتے کہ آپ لوگوں کے اصل دشمن تو آپ کے اپنے ملک میں موجود ہیں — نہ آپ لوگ اپنے نبی کی باتوں پر غور کرتے ہیں — اور نہ اپنے نبی پر اترے ہوئے قرآن پر — قرآن بے شمار باتوں کا کھول کھول

کر اعلان کر رہا ہے، لیکن اس اعلان پر بھی آپ لوگ
کان نہیں دھرتے — جاتے ہوئے بتا جاتا ہوں انسپکٹر جمشید
کہ قرآن کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے:

یہود اور نصاریٰ تمہارے دوست نہیں ہیں،
یہ تو آپس میں دوست ہیں —

مطلب یہ کہ یہود ہوں — نصاریٰ ہوں — جاپانی ہوں —
یہ سب مسلمانوں کے دوست نہیں ہیں — دشمن ہیں — اور تم
لوگ ہو کہ ان لوگوں کو اپنی فوج میں بھی شامل کر لیتے
ہو — بڑے بڑے سرکاری عہدے انہیں سونپ دیتے ہو —
اپنے ایٹمی پلانٹ تک میں تم لوگوں نے جاپانیوں کو عہدے
دے رکھے ہیں — پھر بھلا مجھ جیسا آدمی کیوں آسانی سے کامیاب
نہیں ہوگا — اگر ایسا نہ ہوتا تو مجھے اس منصوبے پر عمل
کرنے میں دانتوں پسینہ آ جاتا — لیکن میں نے تو بہت
آرام سے بیٹھے بٹھائے کامیابی حاصل کر لی — خطرہ تھا تو
تم لوگوں سے — تمہیں اس رومال کے ذریعے یہاں کھینچ لیا —
اب بس — اس سے زیادہ کیا کہوں — ویسے تم لوگ سوچ
رہے ہو گے کہ میں کیسا دشمن ہوں — خود ہی تم لوگوں کی
کمزوریوں سے آگاہ کر رہا ہوں — یہ اس لیے کہ جب تم
اپنے ملک کو ان بلاؤں سے پاک کر لو گے اور پھر میں کوئی

اس قسم کا منصوبہ لے کر آؤں گا تو مجھے کام کر کے بہت
مزا آنے لگا — اس بار کی کامیابی تو بہت پھسپھسی رہی —
مجھے کچھ بھی نہیں کرنا پڑا — بس ذہن کو گردش دیتا رہا اور
کام ہوتا رہا۔"

"ایک منٹ انکل — آپ نے تو ہم سے کہا تھا کہ آپ ہمیں
آزاد کر دیں گے، اگر ہم ایک بڑی دعوت کا انتظام کر دیں،
اس میں تمام بڑے سرکاری آفیسر ہوں۔"

"وہ — وہ میں مذاق کے طور پر کہہ رہا تھا، ورنہ سارے
انتظامات تو میں پہلے کر چکا تھا۔"

"اُف مالک — آخر وہ دھماکا کیا ہوگا مسٹر جیرال — کیا عوامی
ہال اڑ جائے گا؟"

"یہ بات میں وقت سے پہلے نہیں بتاؤں گا۔"

"لیکن کیوں! ہم اب کچھ کر تو سکتے نہیں۔"

"میں اپنے منصوبے میں ایک فیصد خامی کا امکان ضرور
رکھتا ہوں — کبھی یہ خیال نہیں کرتا کہ میرا منصوبہ سو فی صد
کامیاب ہوگا — یہ میرا اصول ہے — اور دشمن کو وہ تمام
باتیں بتا دیتا ہوں — جو بتانے کے قابل ہوں — تاکہ وہ
بھی اپنے ہاتھ پیر مار لے — اور اس کے دل میں کوئی
حسرت نہ رہ جائے — اب دیکھ لیں — تم لوگوں کے پاس

پورے ساڑھے چار گھنٹے ہیں ۔۔ میں اگر یہ تمام باتیں نہ
اور تم لوگ اپنے آپ کو یہاں سے چھڑا لیتے تو کیا کرتے
کیا بھاگ دوڑ کرتے ۔۔ اور ادھر دھماکا ہو جاتا ۔۔ لیکن میں
نے ساری بات بتا دی ہے ۔۔ کچھ کر سکتے ہیں تو کر لیں ۔
ہاہاہا ۔"

یہ کہتے وقت اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ رینگ گئی
وہ مڑا اور تہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف چل پڑا ۔۔ ان
میں سے کسی کا جی بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا ۔۔ اوپر
پہنچ کر وہ مڑا ۔۔ ایک نظر ان سب پر ڈالی اور ہاتھ ہلا کر باہر
نکل گیا ۔۔ ساتھ ہی دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ۔

ان کے دل گویا دھک دھک کرنا بھول گئے ۔۔

" ساڑھے چار گھنٹے بہت ہوتے ہیں ابا جان ۔۔ سوچ کیا رہے
ہیں ۔۔ حرکت میں آ جائیں ۔" ایسے میں فاروق کی آواز گونج اٹھی ۔

" اوہ ہاں واقعی ۔۔ ساڑھے چار گھنٹے بہت ہوتے ہیں ۔
لیکن ہمیں پہلے غور کرنا ہے کہ ان رسیوں سے نجات کس
طرح حاصل کریں ۔۔ اس لیے کہ جتنا آپ لوگ کوشش کریں
گے ۔۔ اتنا یہ رسیاں گوشت میں دھنسیں گی ۔۔ سوال یہ
ہے کہ وہ کیا ترکیب ہو سکتی ہے کہ رسیاں گوشت میں
نہ دھنسیں ؟ فرحت ، فرزانہ ۔۔ رفعت ۔۔ آواز دو اپنی عقلوں کو ۔"

انسپکٹر جمشید نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا ۔

" آپ ہمیں چند منٹ کی مہلت دیں ۔" فرزانہ نے کہا اور
وہ تینوں سوچ میں ڈوب گئیں ۔۔ صرف تین منٹ بعد
ہی فرزانہ بولی :

" ہمیں کسی ایک کرسی کی رسیوں کو آگ دکھانا ہو گی ۔"

" آگ !!! " وہ سب ایک ساتھ بولے ۔

" ہاں ! آگ ۔" فرزانہ نے پرجوش انداز میں کہا ۔

" لیکن ہم آگ کس طرح دکھائیں ؟ "

" فاروق کی جیب میں لائٹر موجود ہوتا ہے ۔"

" اوہو ۔۔ آخر لائٹر کیسے نکالیں ۔۔ اور پھر اسے جلائیں
کس طرح ؟ "

" پہلا مرحلہ لائٹر جیب سے نکالنے کا ہے ۔۔ فاروق ۔۔ تم
کرسی سمیت الٹ جاؤ ۔" فرزانہ نے سرد آواز میں کہا ۔

" اور رسیاں جو میرے گوشت میں گھس جائیں گی ۔"

" آپ لوگ ٹھہریں ۔۔ میں الٹا ہو جاتا ہوں ۔" ٹی ایس ایم
کی آواز سنائی دی ۔

" عجیب احمق ہیں آپ بھی ۔۔ ارے میاں لائٹر تو فاروق
کی جیب میں ہے ۔" محمود نے جھنا کر کہا ۔

" اوہ سوری ۔" طاہر نے شرما کر کہا ۔

"لیکن بھئی — اس نے اپنے جذبے کا اظہار تو کیا ہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم — میں الٹ رہا ہوں — چاہے رسیاں میری ہڈیوں تک کیوں نہ پہنچ جائیں۔" فاروق نے جذباتی آواز میں کہا۔

"شاباش فاروق — اس مہم کا سارا دار و مدار اب تم پر ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ پریشان نہ ہوں ابا جان۔"

یہ کہہ کر فاروق نے زور لگایا تو کرسی الٹ گئی۔ وہ بھی قدرے الٹا ہو گیا — اب وہ لگا اپنے جسم کو ہلانے۔ تاکہ اس کی جیب سے چیزیں نکل کر گرنے لگ جائیں۔

"شاباش فاروق — خود کو اور ہلاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم — میں ہلا رہا ہوں — اور جوں جوں ہلا رہا ہوں — رسیاں گوشت میں دھنس رہی ہیں۔"

"ہم جانتے ہیں فاروق — لیکن اپنے دین، ملک اور قوم کے لیے ایسی قربانیاں تو دینا ہی پڑتی ہیں — کیا تم نہیں چاہتے کہ ہم جیرال کے منصوبے کو ناکام بنا دیں۔"

"بھلا میں کیوں نہ چاہوں گا۔"

"تو پھر ہلاؤ — خود کو — اس قدر ہلاؤ کہ جیب سے چیزیں گرنے لگیں۔"

فاروق زور زور سے خود کو ہلانے لگا — یہاں تک کہ باقی لوگوں نے اس کے جسم کے مختلف حصوں سے خون نکلتے دیکھ لیا — وہ کانپ گئے، لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔ آخر آدھ گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد فاروق کی جیب سے پہلی چیز گری، لیکن وہ لائٹر نہیں، پنسل تراش تھا — ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"شاباش فاروق — ایک چیز باہر آ گری ہے — تو لائٹر کیوں نہیں گرے گا — اب جیب کا رخ بھی نیچے کی طرف ہے — ایک دو جھٹکوں کی اور ضرورت ہے۔"

"ایک دو مزید جھٹکوں میں کہیں میرا جھٹکا نہ ہو جائے۔" فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اپنے دین، ملک اور قوم کے لیے اگر تم جان قربان کر گئے تو ہم فخر کر سکیں گے فاروق — فکر نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"اچھی بات ہے — اللہ کا نام لے کر ایک اور زوردار جھٹکا مارتا ہوں۔" فاروق نے کہا اور زور سے جھٹکا دیا — اس بار تین چار چیزیں باہر آ کر گریں، لیکن ان میں لائٹر نہیں تھا۔ فاروق نے ایک جھٹکا اور مارا — ساتھ ہی فرزانہ چلا اٹھی:

"لائٹر باہر آ گرا ہے۔"

فرزانہ کے ان الفاظ کے ساتھ ہی فاروق نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا ۔۔۔ اس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار ظاہر تھے ۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے اس وقت اپنے دل میں درد سا محسوس کیا، لیکن پھر انھوں نے اپنے سر کو ایک جھٹکا دیا اور لائٹر کی طرف متوجہ ہو گئے ۔۔۔

"اب سوال یہ ہے کہ اس لائٹر کو ہم جلائیں کس طرح؟" فرحت بولی۔

"یہ کام میں اور انسپکٹر کامران مرزا کر سکتے ہیں ۔ اور بس۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن کیسے؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بس تم دیکھتے جاؤ۔"

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید اپنی کرسی کو لائٹر کی طرف سرکانے لگے، لائٹر کے نزدیک پہنچ کر انھوں نے کرسی کو الٹ دیا ۔ اس طرح ان کا منہ فرش سے نزدیک ہو گیا ۔۔۔ وہ اپنا منہ لائٹر کی طرف سرکانے لگے ۔۔۔ یہاں تک کہ منہ لائٹر کو چھونے لگا ۔۔۔ اب انھوں نے زبان اور ہونٹوں کی مدد سے لائٹر کو منہ میں لے لیا ۔۔۔ انھوں نے لائٹر کا نچلا حصہ منہ میں لیا تھا ۔۔۔

"انسپکٹر کامران مرزا ۔۔۔ اب آپ کو میرے نزدیک آنا پڑے گا ۔۔۔ لائٹر آپ جلائیں گے۔"

"ہاتھ کے بغیر لائٹر کیسے جلایا جا سکے گا ابا جان؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اللہ مالک ہے ۔۔۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے ۔۔۔ اللہ چاہے گا تو لائٹر جل جائے گا۔"

ادھر انسپکٹر کامران مرزا ان کی طرف سرک رہے تھے ۔۔۔ اب سب کی نظریں ان پر جم گئیں ۔۔۔ اللہ اللہ کر کے وہ ان تک پہنچ گئے اور اپنی کرسی کو الٹ دیا ۔۔۔ اب ان کا منہ ان کے منہ کے نزدیک تھا ۔۔۔ انھوں نے زبان باہر نکالی اور لائٹر کی پھرکی پر رکھ کر زور لگایا ۔۔۔ گویا وہ زبان کے ذریعے پھرکی کو حرکت دینا چاہتے تھے، لیکن زبان کے پورے زور کے باوجود پھرکی نہ سرکی ۔۔۔ زبان آخر زبان ہے ۔۔۔ بالکل نرم چیز ۔۔۔ کئی بار کی کوشش کے باوجود وہ کامیاب نہ ہو سکے ۔۔۔

"نہیں کام بن رہا۔"

"تب پھر دوسرے رخ سے کوشش کریں ۔۔۔ اپنے ہاتھ کو کرسی کی ہتھی سے ذرا سا باہر سرکانے کی کوشش کریں ۔ اگر انگلی کا ذرا سا سرا بھی باہر آ گیا تو آپ اس سرے سے پھرکی [illegible] دے سکیں گے۔"

"اچھی بات ہے ۔۔۔ میں یہ کوشش ضرور کروں گا۔"

اب انھوں نے اپنے ہاتھ کو سرکانے کی کوشش شروع کر دی،

یہ کام بھی آسان نہیں تھا، لیکن انھیں کرنا تھا، وہ زور لگ
رہے ۔۔ لگاتے رہے ۔۔ ان کی جان پر بنتی رہی ۔۔ آخر ا
ہاتھ کو کسی قدر باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے ۔۔ اب ا
کرسی کو سرکانے لگے ۔۔ تاکہ ان کا ہاتھ لائٹر کے نزدیک
جائے ۔۔ اس کوشش میں بھی کئی منٹ لگے ۔۔ آخر انگلی پھرکی
رگڑ کھانے لگی ۔۔ وہ بار بار اسے چکر دینے کی کوشش کر رہے

اچانک لائٹر کا شعلہ بھڑکا ۔۔

"وہ مارا ۔۔ جلدی کریں ۔۔ کرسی سے بندھی رسیوں کو آگ
دکھا دیں۔" انسپکٹر کامران مرزا چلاتے ۔

انسپکٹر جمشید نے لائٹر کے شعلے کا رخ ان کی کرسی کے سا
بندھی رسی کی طرف کر دیا، جونہی آگ نے اسے چھوا ۔۔ و
چُرمُر ہونے لگی ۔۔ رسی نے تیزی سے آگ پکڑ لی ۔۔ جونہی
کرسی کے پاس سے جلی ۔۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ایک جھ
مارا اور کرسی سے الگ ہو گئے ۔۔ دوسرے ہی لمحے وہ
کو اپنے جسم سے الگ کر چکے تھے ۔۔ اب انھوں نے ا
اپنے ہاتھ میں لے لیا اور رسیاں جلانے لگے ۔۔ ایک ا
کر کے وہ سب آزاد ہو گئے ۔۔ اب وہ اوپر کی طرف دوڑ
ابھی تجربہ گاہ والے کمرے تک پہنچے تھے کہ فون کی گھنٹی ب
لگی ۔۔

انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جیرال
کی آواز سنائی دی :

"بہت خوب انسپکٹر جمشید ۔۔ مان گیا آپ لوگوں کو ۔۔ مجھے
صرف ایک فی صد امید تھی کہ آپ لوگ وقت سے پہلے
رسی نہیں کھول سکیں گے، لیکن میرا ننانوے فیصد اندازہ غلط
ہو گیا اور ایک فیصد امید جیت گئی ۔۔ اب عوامی ہال کی
طرف دوڑ لگا دیں ۔۔ میں بہت قریب سے دیکھوں گا کہ اب
آپ لوگ کیا کرتے ہیں۔"

وہ خان رحمان کی بڑی گاڑی میں دوڑ پڑے ۔۔ ڈرائیونگ انسپکٹر
جمشید کر رہے تھے ۔۔ آدھ گھنٹے بعد وہ عوامی ہال کے سامنے
پہنچ گئے ۔۔ یہ ایک بہت بڑی سرکاری عمارت تھی ۔۔ تمام
بڑی سرکاری دعوتیں اس ہال میں دی جاتی تھیں ۔۔ اس وقت
یہ عمارت جگ مگ جگ مگ کر رہی تھی ۔۔ تمام بڑے سرکاری
افسر اس میں موجود تھے اور جشن منا رہے تھے ۔۔ کھا رہے
تھے ۔۔ پی رہے تھے، ہنس رہے تھے ۔۔ باتیں کر رہے تھے ۔۔
اس بات سے بے خبر کہ کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے ۔۔

وہ صدر دروازے پر جونہی گاڑی سے اترے، دروازے
پر موجود فوجی آفیسرز نے اپنی رائفلیں ان پر تان دیں :
"خبردار ۔۔ وہیں رک جائیے، ورنہ ہم گولی مار دیں گے۔"

"خبردار! میں انسپکٹر جمشید ہوں — اور ایک بہت بڑے خطرے کی خبر لے کر آیا ہوں — رائفلیں نیچی کر لیں اور ہمیں اندر جانے دیں۔"

"افسوس! آپ اندر نہیں جا سکتے۔"

"کیا کہا — ہم اندر نہیں جا سکتے — تو پھر یہ پوری عمارت ملبے کا ڈھیر بننے والی ہے — اب سے صرف تین گھنٹے بعد"

"کیا مطلب؟"

وہ ایک ساتھ چلائے —

حکم یہ ہے

"ہاں! آپ لوگ ہمیں نہ روکیں — ہم پہلے ہی بہت مشکل سے جیرال کی قید سے نکل کر آئے ہیں — یہ دیکھیے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے کپڑا ہٹا کر اپنے زخم دکھائے — فاروق نے بھی یہی کیا — ان کے زخم دیکھ کر تو فوجی بھی کانپ گئے — پھر ایک نے نرم آواز میں کہا:

"لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں — حکم نہیں ہے۔"

"کیا آئی جی نثار احمد صاحب اندر ہیں؟"

"ہمیں معلوم نہیں۔"

"صدر صاحب تو اندر موجود ہیں نا؟"

"ہاں! ان کے بارے میں معلوم ہے — وہ اندر ہیں۔"

"ان سے کہہ دیں — باہر میں موجود ہوں اور فوری طور پر ملنا چاہتا ہوں۔"

"حکم یہ ہے کہ نہ تو کسی ملاقاتی کو اندر جانے دیا جائے،

کسی کا پیغام اندر پہنچایا جائے — نہ فون پر کسی کی کسی سے بات کرائی جائے۔"

"آپ ایسے نہیں مانیں گے — میں آپ کو دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اپنی اندرونی جیب سے اپنا خصوصی اجازت نامہ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہمیں حکم ہے — کسی کی لائی ہوئی کوئی چیز نہ دیکھیں — نہ اس پر توجہ دیں — یہاں تک کہ صدر صاحب کا حکم ہے — ان کے والد صاحب بھی آ جائیں — تو انھیں بھی باہر ہی روک دیا جائے — اور ان تک ان کا پیغام اندر نہ دیا جائے۔"

"اچھی بات ہے — اب ہم اپنی کوشش شروع کرتے ہیں — ایک بات آپ سن لیں — یہ پوری کی پوری عمارت اڑنے والی ہے — جبرال نے اس عمارت میں ٹائم بم فٹ کر رکھے ہیں — ایک بھی فرد نہیں بچے گا — خود آپ لوگ بھی نہیں بچیں گے — کیا یہ پیغام بھی آپ اندر نہیں دے سکتے؟" ان کا لہجہ حد درجے سخت ہو گیا۔

"کیا واقعی یہ بات ہے؟" فوجی نے پریشان ہو کر کہا۔

"جب دھماکے شروع ہوں گے، اس وقت آپ کو یقین ہو جائے گا، لیکن نہیں — آپ اس وقت یقین کرنے اور نہ کرنے کے قابل کہاں رہ جائیں گے۔"

"میں — میں اندر جاؤں گا۔" فوجی نے جلدی سے کہا۔

"اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آپ مجھے جانے دیں۔"

"اچھی بات ہے — اب جو ہو گا — دیکھا جائے گا — آپ لوگ اندر جائیں۔"

"شکریہ بہت بہت — یہ ہے بہادری کی بات۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

پھر وہ سب اندر داخل ہو گئے — اندر عجیب ہاؤ ہو ہو رہا تھا — لوگ قہقہے لگا رہے تھے — چیخ رہے تھے — چلا رہے تھے — کچھ گا رہے تھے، کچھ جھوم رہے تھے — کھا رہے تھے، پی رہے تھے — اتنے بڑے بڑے اور سنجیدہ قسم کے لوگوں کو اس قسم کی حرکات کرتے دیکھ کر خود انھیں شرم محسوس ہونے لگی — ایسے میں ان کی نظریں آئی جی صاحب کو تلاش کر رہی تھیں، لیکن وہ انھیں ان لوگوں کے درمیان کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے —

"میرا خیال ہے — وہ کہیں الگ تھلگ بیٹھے ہوں گے، اس قسم کی محفل انھیں پسند نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر ہم گھوم پھر کر دور دراز کے گوشوں میں انھیں تلاش کرتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چکر کاٹنے لگے — آخر ایک کونے

میں چند آدمی کرسیوں میں دھنسے نظر آئے — وہ اس طرف
بڑھنے لگے — نزدیک پہنچ کر انھوں نے دیکھا — وہاں نہ صرف
آئی جی صاحب موجود تھے ، بلکہ ان کے ساتھ ملک کے صدر
اور ایک دو دوسرے سنجیدہ لوگ بھی تھے — انھیں دیکھ کر
وہ بُری طرح چونکے :

"جمشید — تم اور کامران مرزا بھی — خیر تو ہے؟"

"خیریت نہیں ہے سر — بہت بڑا خطرہ ہمارے سروں پر
منڈلا رہا ہے — آپ سب کو یہ عمارت فوراً چھوڑ دینی چاہیے۔"

"کک — کیا مطلب"؟ وہ بوکھلا اُٹھے۔

"اس عمارت میں جیرال نے ٹائم بم فٹ کر رکھے ہیں۔"

"کک — کیا — ٹائم بم"؟ وہ چلائے۔

"ہاں سر — آپ لوگوں کو اس خطرے سے خبردار کرنے کے
لیے ہمیں یہاں آنا تھا ، لیکن ہم جیرال کی قید میں تھے — اس
قید سے رہائی کے لیے یہ دیکھیں سر — ہمیں کیا کچھ نہیں کرنا
پڑا"۔ یہ کہ کر انسپکٹر جمشید نے فاروق کے جسم سے کپڑا ہٹایا
وہ تھرا اُٹھے — ساتھ ہی انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا
نے بھی کپڑے ہٹا کر زخم دکھائے :

"اُف مالک — یہ — یہ کیسے زخم ہیں؟"

"ان کی تفصیل بعد میں سر — پہلے آپ ان سب لوگوں کو

باہر نکالنے کی کوشش کریں"۔

"آؤ جمشید"۔ صدر صاحب نے کہا۔

اور صدر صاحب مائک کے سامنے جا کھڑے ہوئے — پورے
ہال میں ان کی آواز گونجنے لگی :

"خواتین و حضرات — آپ کے لیے انسپکٹر جمشید کی طرف سے
ایک خبر — گھبرانے اور پریشان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہو
گا — آپ سب پُرسکون انداز میں عمارت سے باہر آ جائیں ،
انسپکٹر جمشید خبر آپ لوگوں کو باہر ہی سنائیں گے"۔

"یہ کیا بات ہوئی سر — انسپکٹر جمشید خبر اندر کیوں نہیں
سنا سکتے"؟ کئی آوازیں ابھریں۔

"اس کی ایک وجہ ہے — اور وجہ بھی آپ کو باہر سنائی
جائے گی — اب آپ سب باہر تشریف لے چلیں — تمام
چیزیں جوں کی توں چھوڑ دیں"۔

"اوکے سر — جو حکم"۔

سب لوگ پُرسکون انداز میں باہر جانے لگے —

"یہ بہت اچھا رہا — اگر پہلے ہی بموں کی خبر دے دی
جاتی تو سب لوگ اندھا دھند باہر کی طرف دوڑ پڑتے —
اس طرح بہت نقصان ہوتا ، کچھ لوگ زخمی ہو جاتے —
کچھ بچے گر کر کچلے جاتے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے صدر صاحب

کی تعریف کی۔

چند منٹ میں عمارت خالی ہو گئی — وہ باہر آئے۔ انسپکٹر جمشید ایک اونچی جگہ کھڑے ہو گئے — تفصیل سے ساری بات بتانے لگے — لوگوں کے منہ مارے خوف کے کھلے چلے گئے:

پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ بولے:

"اور ابھی کچھ وقت باقی ہے — آپ سب لوگوں کے لیے سامنے والی عمارت حاضر ہے — آپ اپنی باقی دعوت وہاں اڑا لیں — اگرچہ وہاں اس قدر انتظامات نہیں کیے جا سکے، ٹھیک چار بجے کا وقت ہے — اگر اس سے پہلے بم سکواڈ نے بم تلاش کر لیے تو ہم عمارت بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے، ورنہ اللہ کو جو منظور ہے — وہ ہو کر رہے گا۔"

اور پھر وہ ساتھ والی عمارت میں داخل ہونے لگے — اس عمارت کو صدر صاحب کے حکم پر کھلوایا گیا تھا —

وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا — یہاں تک کہ صبح کے چار بجنے میں چند منٹ رہ گئے — اس وقت تک بم سکواڈ مسلسل بم تلاش کرنے کی کوشش میں لگا رہا تھا — لیکن پوری عمارت میں انھیں ایک بم بھی نہ مل سکا — اور پھر چار بجنے میں تین چار منٹ پہلے انھیں بھی باہر نکال لیا گیا —

پھر چار بج گئے — چار بج کر چند سیکنڈ ہو گئے:

"کوئی دھماکا نہیں ہوا — بلاوجہ ہماری دعوت خراب کی گئی۔"

ایک تیز آواز سنائی دی — انھوں نے مڑ کر دیکھا — یہ وزیر خارجہ عابد جیلانی تھے —

"ہاں بلاوجہ اتنے لوگوں کو پریشان کیا گیا۔" ایک اور آفیسر بولا۔

عین اس لمحے کہیں دور ایک دھماکا ہوا — ان سب کے کان کھڑے ہو گئے — انھوں نے چونک کر عمارت کی طرف دیکھا، لیکن عوامی ہال بالکل ٹھیک ٹھاک کھڑا تھا — اسی وقت کئی دھماکے پے در پے ہوئے اور پھر تو مسلسل دھماکوں کا سلسلہ شروع ہی ہو گیا — جب کہ عوامی ہال جوں کا توں تھا —

"یہ دھماکے کہیں اور ہو رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید پوری قوت سے چلائے —

"لیکن کہاں؟" انسپکٹر کامران مرزا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

عین اسی لمحے کئی ہولناک دھماکے ہوئے — پورا شہر لرز اٹھا — پورے شہر میں ہل چل مچ گئی — چند منٹ بعد انھیں یہ ہولناک ترین خبر سنا پڑی:

"پورے ملک کے اسلحے کے ڈپو میں آگ لگ گئی ہے۔"

ان کے حواس جاتے رہے — پھر میزائل چھٹنے لگے — میزائل ادھر سے ادھر شہر پر گرنے لگے — جب کہ اسلحے

کا ڈپو شہر سے باہر کافی فاصلے پر تھا ــ لیکن میزائل تو خود میلوں دُور وار کرتے ہیں ــ جہاں جہاں میزائل گرے تباہی مچنے لگی ــ عمارتیں تباہ ہونے لگیں ــ دارالحکومت ــ دارالحکومت کے ساتھ واقع دوسرے شہر ــ سبھی زد میں آ گئے ــ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی ــ سب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ چکے تھے ــ صدر کیا ــ وزیر کیا ــ انسپکٹر جمشید کیا ــ سب کو قیامت ہی قیامت نظر آ رہی تھی ــ

"اُف مالک ــ اگر سارا اسلحہ جل گیا ــ تمام میزائلوں نے آگ پکڑ لی تو کیا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید کانپ کر بولے۔

"پورا ملک ان کی پیٹ میں آ جائے گا ــ پورے ملک کو تباہ کرنے کا ہولناک ترین ــ لرزہ خیز ترین منصوبہ ــ میزائل وار کر گیا اور ہم عوامی ہال پر نظریں جمائے رہے ــ افسوس ــ افسوس۔"

"لل ــ لیکن کیا ابا جان اس آگ پر قابو نہیں پایا جا سکتا؟" محمود بولا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو ــ ان حالات میں اسلحے کے ڈپو کا رُخ کون کر سکتا ہے ــ جو کرے گا، مارا جائے گا۔"

"بم پروف ــ میزائل پروف لباس بھی ہو سکتے ہیں۔"

"نن نہیں ــ ذرا غور کرو ــ صرف لباس کیسے بچا سکتا

ہے ــ اگر ایک شخص کے جسم پر بم پروف لباس ہے ــ اور اس کے اوپر تباہ ہونے والی کوئی عمارت گر پڑے تو وہ کیا کرے گا۔"

"تب پھر ــ کیا ہمارا سارا اسلحہ جل جائے گا ــ پورا ملک تباہ ہو جائے گا ــ دشمن کی فوج کے بغیر ہم ختم کر دیے جائیں گے۔"

"اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

پھر سپیکر پر اعلان ہونے لگا:

"ایوان صدر میں صدر صاحب نے تمام بڑے فوجیوں کا اجلاس بلایا ہے ــ فوجی حضرات فوراً وہاں پہنچنے کی کوشش کریں ــ اور انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی بھی وہاں پہنچ جائیں۔"

ان کے رُخ ایوانِ صدر کی طرف ہو گئے ــ انھیں فوراً ان ہال میں پہنچایا گیا ــ جہاں سب لوگ جمع تھے ــ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں انتارجہ کی ایک پوری ٹیم بھی موجود تھی ــ

"ان حضرات کا یہاں کیا کام سر؟" انسپکٹر جمشید نے سرد انداز میں کہا۔

"یہ ابھی ابھی انتارجہ سے یہاں پہنچے ہیں ــ اسلحے میں آگ

لگ جانے کے سلسلے میں ہی یہاں آئے ہیں، تاکہ ہمیں کوئی بہتر مشورہ دے سکیں۔"

"اوہ اچھا ۔۔۔ ہم ان کا مشورہ ضرور سنیں گے۔"

"پہلے کمانڈر انچیف اپنا خیال ظاہر کریں گے ۔۔۔ یہ بتائیں گے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔"

"یس سر" کمانڈر انچیف نے اٹھتے ہوئے کہا ۔۔ ان کی آواز میں لرزش تھی ۔۔ پھر وہ کپکپاتی آواز میں کہنے لگے:

"ہم لوگوں کے پاس آگ بجھانے کے ذرائع ضرور موجود ہیں، ہم اپنی کوشش بھی شروع کر سکتے ہیں ۔۔۔ لیکن اس طرح ان گنت فوجی شہید ہوں گے ۔۔۔ اور آگ بجھ جائے گی یا نہیں ۔۔ اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"تو کیا آپ کہنا چاہتے ہیں کہ آگ پر قابو پانے کی کوشش نہ کی جائے ۔۔۔ اور پورے ملک کو راکھ ہو جانے دیا جائے ۔۔۔ پورے عوام کو تہس نہس ہونے دیا جائے۔" صدر صاحب نے غصے میں آکر کہا۔

"جی نہیں ۔۔۔ اس کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" کمانڈر بولے۔

"اور ہم ایسی ہی ایک ترکیب لے کر آئے ہیں۔" انشارجہ کی ٹیم کے انچارج نے بلند آواز میں کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے سر کہ ان کی تجویز پہلے سن لی جائے۔"

"آئیے جان ڈگی صاحب۔" صدر صاحب نے اس سے کہا۔

جان ڈگی اٹھ کر سٹیج پر آیا اور اس نے تقریر شروع کی:

"یہ آگ ایسی آگ ہے کہ اس میں آپ کے ملک کا سب کچھ جل کر راکھ ہو سکتا ہے ۔۔ لیکن انشارجہ آپ کا دوست ہے ۔۔ ہمیشہ آپ کے کام آیا ہے ۔۔ لہٰذا آج اس مرحلے پر بھی انشارجہ ہی آپ کے کام آئے گا ۔۔ انشارجہ خود یہ آگ بجھائے گا۔"

"کیا!!!" سب کے سب چلائے۔

"ہاں! انشارجہ کی فوج یہ سارا کام خود کرے گی ۔۔ اپنے آلات، اپنے کیمیکلز اور اپنے ذرائع سے آگ پر قابو پائے گی ۔۔ دوستی کا حق ادا کریں گے ہم۔"

"واہ! یہ ہوئی نا بات ۔۔ اس سے خوب صورت بات ان حالات میں بھلا اور کیا ہو گی۔"

"ہوں! اس کی تفصیلات مختصر طور پر بتائے دیتا ہوں۔" جان ڈگی نے کہا ۔۔ سب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آپ لوگوں کو دارالحکومت خالی کرنا ہو گا۔"

"جی کیا مطلب؟" سب ایک ساتھ بولے۔

"جی ہاں، تمام گھروں کو خالی کرنا ہو گا ۔۔ نہ صرف دارالحکومت

کو خالی کرنا ہوگا، بلکہ آس پاس کے شہروں اور دیہاتوں کو بھی خالی کرنا ہوگا — اور وہ بھی ایک دو دن کے لیے نہیں — ایک آدھ ماہ کے لیے نہیں — پورے چھے ماہ کے لیے — چھے ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد اس آگ کو مکمل طور پر بجھایا جا سکے گا — اس میں انشارجہ کے کتنے آدمی شہید ہوں گے، آپ سوچ بھی نہیں سکتے — لیکن ہم دوستی کا حق ادا کرنے آئے ہیں — حق ادا کریں گے — اپنے آدمی مروائیں گے — اپنی ہر چیز استعمال کریں گے — یہ کوئی معمولی آگ نہیں ہے — اس سے بڑی آگ شاید پوری دنیا میں پہلے کبھی نہیں لگی ہو گی — پورے ملک کے فوجیوں کے لیے اسلحے کا ذخیرہ اس ڈپو میں موجود ہے آخر— یہاں تک کہہ کر وہ رک گیا۔

تمام لوگ سوچ میں ڈوب گئے — سوچ کے سمندر میں اتر گئے — ہر کوئی بس صرف یہ سوچ رہا تھا کہ انشارجہ کا نمائندہ بالکل درست کہہ رہا ہے، یہ لوگ کس قدر مخلص دوست ہیں — ان حالات میں بھلا کوئی اپنی فوج کے آدمی ہلاک کرانے کی جرأت کر سکتا ہے — دوسروں کے لیے اپنی فوج — اپنا سامان دیتا ہے — اور شرط کس قدر سیدھی ہے — صرف چھ ماہ کے لیے سارے شہر کو

اور آس پاس کے شہروں کو خالی کرنا ہوگا — تمام لوگوں کو باہر نکالنا ہوگا — تو کیا ہے — پورا ملک تو بچ جائے گا — اسلحہ تو بچ جائے گا — سارا تباہ ہونے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ کچھ تو بچ جائے — ورنہ ایسی حالت میں اگر شادجستان حملہ کر دے تو ہم کیا کریں گے — کیا ہم جنگ لڑنے کی پوزیشن میں رہ جائیں گے۔

اس قسم کے خیالات ان سب کے ذہنوں میں آ رہے تھے — آخر صدر صاحب کی آواز سنائی دی:

"ٹھیک ہے مسٹر جان ڈگی — ہم..."

"ایک منٹ سر!" ایسے میں ایک آواز ابھری۔

اس آواز میں رعب تھا — دبدبہ تھا — ولولہ تھا — اور نہ جانے کیا کچھ تھا کہ سب اس آواز کی طرف گھوم گئے —

"کون صاحب بات کرنا چاہتے ہیں — بات کریں، اجازت ہے۔" صدر صاحب بولے۔

ان سب نے دیکھا — ایک دبلا پتلا فوجی آفیسر اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا —

"میں جنرل مشرف ہوں — آپ کی اجازت سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور — کہیے۔" صدر صاحب بولے۔

"سر — ہمارے مخلص دوست ہم سے چھ ماہ مانگتے ہیں
یہ اس آگ پر چھ ماہ میں قابو پائیں گے — گویا چھ ماہ
مسلسل اس ڈپو میں آگ بھڑکتی رہے گی — تو کس حد تک
ذخیرہ جلے گا — کس حد تک جلے گا — اور پھر ہر شہری کو
اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا — چھ ماہ کے لیے لاکھوں لوگ
آخر کہاں جائیں گے — چھ ماہ وہ کہاں رہیں گے — جب کہ
میزائل ان نزدیکی شہروں سے بھی دُور دراز کے شہروں پر
وار کر رہے ہیں — میزائل تو پچاس ساٹھ کلو میٹر تک وار
کر رہے ہیں — بلکہ کچھ میزائل اس سے بھی آگے گر رہے
ہیں تو پھر صرف دارالحکومت کو اور آس پاس کے شہروں کو
کیوں خالی کیا جائے — پھر تو پورے ساٹھ ستر کلو میٹر
دور تک کے شہروں کو اور دیہاتوں کو خالی کرانا ہو گا اور
یہ کام خود ایک مصیبت ہو گا" یہاں تک کہہ کر جنرل مشرف
خاموش ہو گئے۔

"تب پھر — آپ کیا کہتے ہیں — کیا تجویز پیش کر سکتے ہیں۔
کیا آپ کے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی اور حل ہے" صدر
صاحب بولے۔

"ہاں سر — میرے پاس ایک عدد حل ہے — اس سے
نہایت مختصر — اس سے حد درجے آسان اور قابل عمل" جنرل

مشرف مسکرائے۔

"اور وہ کیا؟" سب لوگ بول پڑے۔

"میں اس آگ پر صرف ایک ماہ میں قابو پا کر دکھاؤں گا"

"کیا!!!" سب کے سب چلائے۔

"ہاں سر — صرف ایک ماہ میں — اور کسی ایک گھر کو خالی
کرنے کی ضرورت نہیں — کیونکہ زیادہ خطرے میں دارالحکومت
اور آس پاس کے دیہات یا شہر نہیں ہیں — ان سے آگے
والے شہر اور دیہات زیادہ خطرے میں ہیں — ہم کس کس
کو خالی کرائیں گے — ہم اپنے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے
سب لوگوں کو اپنے گھروں میں رکھتے ہوئے یہ کام صرف
ایک ماہ میں کر دکھائیں گے"

جنرل مشرف کے الفاظ نے سناٹا طاری کر دیا — جان
ڈگی کا چہرہ بالکل مرجھا گیا — یوں لگا جیسے اس کے جسم
میں خون کی ایک بوند نہ رہ گئی ہو — آخر صدر صاحب
کی آواز سنائی دی:

"بہت خوب جنرل مشرف — اس سے بڑھ کر کیا بات ہو
سکتی ہے — میں آپ کو اجازت دیتا ہوں — آپ ابھی اور
اسی وقت کام شروع کر سکتے ہیں"

"لیکن — شرط ایک ہے" وہ بولے

"اوہ — تو آپ کی کوئی شرط بھی ہے۔" صدر صاحب چونکے۔
"یس سر — شرط تو انشارجہ کے نمایندے جان ڈگی صاحب
نے بھی پیش کی ہے — میری شرط ان کی شرط سے بالکل
آسان ہے۔"
"اور وہ کیا ہے؟"
"صرف اور صرف یہ کہ اس کام کے لیے مجھے سات سو فوجی
دیئے جائیں — اور وہ فوجی پانچ وقت کے باجماعت نمازی
ہوں — زکوٰۃ ادا کرتے ہوں — دین کے باقی احکامات
پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوں اور بس — ایسے آدمی چن کر
کر دے دیئے جائیں — ساتھ ہی وہ شہادت کے لیے بالکل
تیار ہوں۔"
"یہ کیا مشکل ہے — ہماری فوج میں ایسے ان گنت آدمی
ہیں — جو آپ کا اعلان سن کر خود اپنے آپ کو پیش
کر دیں گے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔
"بالکل ٹھیک — اسی وقت فوج میں یہ اعلان کر دیا جائے"
صدر صاحب نے حکم دیا۔
اعلان کے صرف ایک گھنٹے بعد جنرل مشرف کے پاس ایسے
پکے نمازی، باریش... سروں پر کفن باندھے موجود
تھے — ایسے میں انسپکٹر جمشید اپنے ساتھیوں کے ساتھ

مشرف کے سامنے جا کھڑے ہوئے:
"آپ!" اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔
"تو آپ ہمیں جانتے ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔
"آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں — آپ جیسے لوگ نہ
ہوں تو ملک کا نہ جانے کیا حال ہو جائے۔"
"تب پھر — اپنے ان سپاہیوں میں ہمیں بھی شامل کر لیں،
اس لیے کہ ہم بھی نمازی ہیں — زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ اور دین
کے دوسرے احکامات پر کاربند ہیں۔"
"آپ کو — شامل کر لوں — آپ تو میرے ساتھ رہ کر کمان
کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں — میں آپ سب کو خوش آمدید
کہتا ہوں۔"
وہ خوش ہو گئے — تھوڑی دیر بعد یہ مسلمان اللہ کے حضور
جھک کر دعا کر رہے تھے اور پھر اسلحے کے ڈپو کا رخ کر
رہے تھے — یہ ایک خوفناک ترین اور ہولناک ترین ذمے داری
تھی — ایسے میں شوکی کو ٹی ایس ملک کا خیال آ گیا — وہ اسے
کہیں بھی نظر نہ آیا — اس نے دل ہی دل میں سوچا — بہت
اچھا ہوا — چلو چھٹی ہوئی — پیچھا چھوٹا —
اسلحے کے ڈپو پر جب ان لوگوں نے بڑی بڑی مشینوں سے
پانی برسایا تو آگ اور بھڑک اٹھی — یہ دیکھ کر جنرل

مشرف پریشان ہو گئے — وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک
کھلے میدان میں آ گئے — دو رکعت نماز ادا کی گئی اور پھر جنرل
ان الفاظ میں دعا کی :

"یا اللہ ! تو نے پانی میں آگ کو بجھانے کی تاثیر رکھی
ہے — لیکن ہم آگ پر پانی برساتے ہیں اور آگ
اور بھڑکتی ہے — میرے مالک — تو پانی کو اس کی تاثیر
والا ہی رہنے دے — ہماری مدد فرما — آمین !"

اب جو پانی برسایا گیا تو آگ نہ بھڑکی — فوجی خوش ہو گئے
اور زور شور سے پانی برسانے لگے — یہی نہیں — اللہ تعالیٰ نے
موسلا دھار بارش کر دی اور پورے ایک ماہ کے دوران کی
مسلسل بارش ہوئی — ادھر فوجیوں نے پانی بہایا — اس طرح
ایک ماہ سے بھی بہت پہلے آگ پر قابو پا لیا گیا — اگرچہ اس
وقت تک اسلحے کا تقریباً دو تہائی حصہ جل چکا تھا ، لیکن
تہائی ذخیرہ بچا لیا جانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی اور یہ
اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا تھا — جنرل مشرف اور اس کے سا
فوجیوں کا سچا جذبہ تھا — ایک ماہ بعد وہ سب ایوان صدر
موجود تھے — صدر صاحب کہہ رہے تھے :

"پورا ملک جنرل مشرف کو اور ان کے ساتھیوں کو سلام
ہے — جنرل مشرف نے وہ کام کیا ہے کہ رہتی دنیا تک

یہ نام رہے گا — پوری قوم ان کی احسان مند ہے۔"

جنرل مشرف اور ان کے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
یہ خوشی کے اور شکر کے آنسو تھے — ایسے میں انسپکٹر جمشید کی
آواز ابھری :

"سر ! اس موقعے پر میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور — کیوں نہیں — آخر آپ لوگوں نے بھی تو غیر فوجی
ہوتے ہوئے فوجیوں کے شانہ بشانہ کام کیا ہے۔"

"بلکہ سر — انھوں نے ہم فوجیوں سے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ
لیا ہے۔" ایک فوجی نے کہا۔

"خیر خیر — یہ لوگ تو پہلے ہی ہمارے ہیروز ہیں — ہاں تو
... ہیرو بات کرو۔" صدر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"سر — کیا آپ کے خیال میں یہ آگ اتفاقیہ تھی ؟"
ان کے سوال نے تمام حاضرین کو چونکا دیا —

چھٹی لے لو

کئی سیکنڈ تک سکتے کا عالم طاری رہا، پھر صدر صاحب کی آواز ابھری:

"آپ کیا کہتے ہیں انسپکٹر جمشید؟"

"سر! یہ سو فی صد سازش تھی — میں آگ لگانے والے مجرموں کو پکڑنا چاہتا ہوں — آپ مجھے اجازت دے دیں۔" انہوں نے پُر اسرار انداز میں کہا۔

"بھلا اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے؟"

"سر! اجازت کی بہت ضرورت ہے۔"

"میں سمجھا نہیں جمشید — کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"سر — جو لوگ مجرم ہوں — انہیں چھوڑا ہرگز نہیں جائے گا — چاہے مجرم کوئی بھی ہوں۔"

"ٹھیک ہے — ہم کسی سے رعایت نہیں کریں گے۔"

"تب پھر ہم اللہ کا نام لے کر اپنا کام شروع کرتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ جمشید — اور جنرل مشرف — آپ وہ لوگ ہیں — جن کی وجہ سے اس ملک کا نام روشن ہے — اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جزا عطا فرمائے۔"

"آمین!" سب نے کہا۔

اور اجلاس برخاست ہو گیا — وہ وہاں سے سیدھے اپنے گھر آئے اور صحن میں آ بیٹھے — بیگم جمشید نے فوراً کھانا سامنے رکھ دیا — کھانے سے فارغ ہو کر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اب ہمیں اس کیس پر غور کرنا ہے — آخر اس سازش میں کون لوگ شامل ہیں۔"

"صاف ظاہر ہے — یہ کام خود انشارجہ کا ہے — اس نے یہ کام جیرال کے ذریعے کیا۔"

"لیکن جیرال نے یا اس کے انشارجہ کے ساتھیوں نے خود تو آگ لگائی نہیں — اس نے تو ایک جال تیار کیا تھا — اس جال میں پہلے اس نے ہمیں پھانسا — پھر عوامی ہال میں ملک کے تمام بڑے آفیسر کی دعوت کرائی — تاکہ یہ سب لوگ دعوت میں شریک رہیں — مگن رہیں اور ادھر وہ اپنا کام کر جائیں — لہٰذا اس سازش میں ڈپو کے ملازم ضرور شامل ہو گئے ہیں — ان کی مدد کے بغیر یہ کام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔" وہ بولے۔

"ہاں بالکل۔"

"ہم پہلے اپنے گھر کے غداروں کی گردنیں دبوچیں گے۔ پھر جیرال کا رُخ کریں گے۔ کیا خیال ہے، آپ کا؟" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اصل خطرناک تو یہی گھر کے بھیدی ہوتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ اور اس کے لیے ہمیں اسلحے کے ڈپو کے تمام ملازمین سے پوچھ گچھ کرنا ہو گی۔ یہ کام ہم صبح سے ہی شروع کر رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

دوسری صبح یہ ٹیم اسلحے کے ڈپو میں پہنچ گئی۔ پہلے سب ملازمین کے رجسٹر چیک کیے گئے۔ پھر وہ تین گروپوں میں بٹ گئے اور بیک وقت تین ملازمین کو چیک کیا جانے لگا۔ ملازمین سے ایک عام سوال یہ کیا گیا:

"جب آگ لگی۔ آپ اس وقت کہاں تھے؟"

قریباً دو سو ملازمین نے اس سوال یہ جواب دیا:

"ہم اس روز چھٹی پر تھے۔ ریکارڈ میں ہماری درخواستیں موجود ہیں۔"

جب ان درخواستوں کو چیک کیا گیا۔ تو واقعی ان لوگوں نے اس رات چھٹی لی ہوئی تھی۔ وہ رات کی ڈیوٹی والے

ملازم تھے۔ ان سب کے کاغذات جب چیک کیے گئے تو یہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ وہ سب کے سب جاپانی تھے۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ ان دو سو ملازمین کو ایک ہال میں لایا گیا:

"آپ دو سو ملازمین نے اس روز رات کو چھٹی کیوں لی تھی؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہمیں اپنے گھروں میں کچھ کام تھے۔"

"لیکن یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ دو سو کے دو سو ملازم۔ جنھیں کچھ کام تھا۔ جاپانی ہیں۔"

"جی۔" وہ ایک ساتھ بولے۔ ان کے رنگ اڑ گئے۔

"مجھے ان پر شک ہے۔ یہ گہری سازش ہے۔ آگ لگانے والوں کو پتا تھا۔ سب سے پہلے ڈپو کے ملازم مریں گے۔ لیکن آگ لگانے والے نہیں چاہتے تھے کہ جاپانی ملازم بھی مارے جائیں۔ انھیں ان جاپانیوں سے خاص ہمدردی تھی۔ لہٰذا انھیں اشارہ دیا گیا کہ یہ اس رات کو چھٹی کی درخواست دے دیں اور ڈپو کا رُخ نہ کریں۔ کیوں ظالمو۔ یہ بات درست ہے یا نہیں؟"

ان کے رنگ پہلے ہی اُڑے ہوئے تھے۔ ان الفاظ کے بعد تو وہ تھر تھر کانپنے لگے۔

"بتاؤ — کس نے تم لوگوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ چھٹی لے لو؟"

وہ گنگ کھڑے رہے — آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"یہ لوگ اس طرح نہیں مانیں گے — ان پر سختی کرنا پڑے گی — لہٰذا انھیں الٹا لٹکا دیا جائے۔"

جب انھیں رسیوں سے جکڑا جانے لگا تو ان میں سے چند ایک چلا اٹھے:

"ہماری جماعت کے خلیفہ کے نائب منور احمد نے ہمیں ہدایات دی تھیں کہ اس رات کوئی جاپانی اسلحے کے ڈپو میں نہیں رہے گا — چھٹی کی درخواستیں لکھ دی جائیں۔"

"بہت خوب! مزا آگیا — منور احمد۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا اور پھر ان سب کو حوالات میں ڈالنے کا حکم دے کر وہ دادیٔ مرجان پہنچے — مرزا منور احمد نے ان لوگوں کو خوف زدہ انداز میں دیکھا — اپنے دارالخلافہ میں بیٹھا [illegible] وقت بھی اس کی حالت غیر تھی:

"فرمائیے — میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"خدمت تو ہم آپ کی کرنے آئے ہیں جناب — اسلحے کے ڈپو کے دو سو جاپانی ملازمین کو آپ نے ۱۴ تاریخ کی رات کو [illegible]

چھٹی لینے کی ہدایات کیوں دی تھیں — انھیں یہ حکم کیوں دیا تھا کہ اس رات کوئی جاپانی ڈپو میں نہیں رہے گا۔"

"م — میں نے — نہیں تو جناب — میں نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔"

"لیکن جناب — وہاں ملازم جاپانیوں نے اس بات کا اقرار کیا ہے — آپ کا انکار کوئی معنی نہیں رکھتا — عدالت ان ملازمین کا بیان درست مانے گی — نہ کہ آپ کا — اب صرف یہ بتا دیں کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی تھی کہ ڈپو میں آگ لگا دی جائے گی۔"

"مجھے — نہیں تو — مجھے تو ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہے۔"

"خیر — اب عدالت میں بیان دیجیے گا۔"

"ن — نہیں — ٹھہریے — بتاتا ہوں — آپ کو معلوم ہے، ہمارے خلیفہ ملک سے فرار ہو کر برطانیہ جا بیٹھے ہیں — انھوں نے یہ ہدایت جاری کی ہے — ان کا حکم تھا کہ میں اپنے جاپانیوں کو اس رات ڈپو میں نہ رہنے دوں۔"

"اوہ اچھا — آپ کے ان الفاظ کی بنیاد پر آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے، کیونکہ اس ملک کا شہری ہونے کے ناطے آپ کو یہ خبر ذمے دار آفیسرز کو بتانی چاہیے تھی — نہ کہ خلیفہ کا حکم مان کر جاپانیوں کو بچانے کی کوشش کرنی

چاہیے تھی۔"

چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا — رات ہو چلی تھی — لہٰذا انھوں نے گھر کا رُخ کیا — آج کرنے کا کوئی اور کام نہیں رہ گیا تھا تفتیش کی گاڑی یہاں آ کر اٹک گئی تھی :

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟"

"جواب اس کا یہ ہے کہ ہم انشارجہ جائیں گے — جیرال سے ٹکرائیں گے — جیرال ہی ہمیں اس پوری سازش کی تفصیلات بتا سکتا ہے۔"

"اوہ بالکل ٹھیک — اب آئے گا مزا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا —

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی :

"ہائیں — یہ اس وقت کون آگیا؟" فرزانہ چونک اُٹھی۔

"کوئی تو اللہ کا بندہ ہو گا۔"

محمود دروازے پر پہنچ کر بولا :

"کون صاحب ہیں؟"

"جج — جی یہ میں ہوں — ٹی ایس ایم۔"

"اچھا آپ ہیں بزدل صاحب۔" یہ کہ کر محمود نے دروازہ کھول دیا۔

"میں آپ کو صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ لوگ جب تک بجھا رہے تھے تو میں بھی اس وقت کچھ کام کر رہا تھا۔"

"بھاڑ جھونک رہے تھے کیا۔" محمود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نن نہیں — یہ کام تو میں بچپن میں کیا کرتا تھا، ویسے آپ کو کیسے پتا چلا؟" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"ہم کچھ باتیں لوگوں کے چہرے دیکھ کر بھی بتا دیتے ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"بہت خوب۔" اس نے کہا۔

"بھئی محمود — بُری بات ہے — دروازے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے — انھیں اندر لے آؤ — میں کچھ ان کے بارے میں بھی اندازہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔"

"چلیے صاحب۔" محمود نے کہا اور اسے صحن میں لے آیا — اسے کرسی پر بٹھایا — وہ گھبرایا گھبرایا سا بیٹھ گیا — انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بغور اس کا جائزہ لے رہے تھے — آخر دونوں مسکرا دیے —

"یہ نوجوان ٹھیک ہیں — ان پر شک کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"چلیے — آپ کہتے ہیں تو نہیں کرتے شک — لیکن اس وقت حضرت کیا خبر لے کر آئے ہیں — یہ تو ہم نے پوچھا ہی نہیں۔"

"اوہ ہاں — بتائیں بھئی — آپ کیا کرتے رہے اس دوران جب کہ ہم آگ بجھا رہے تھے؟"

"جی — وہ بس — میں نے سوچا — میں بھی کوئی کام دکھا

ہی دوں۔"

"تو پھر دکھایا کوئی کام؟"

"خیال تو یہی ہے!"

"بتائیے ۔۔۔ ہم سن رہے ہیں۔"

"جان ڈگی نے خفیہ طور پر عابد جیلانی سے ملاقات کی تھی۔"

"کیا!!!"

وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے ۔۔۔

ملاقات مجرمانہ

چند لمحے تک وہ سکتے کے عالم میں رہے ، پھر انسپکٹر جمشید
کھڑے ہوئے :

"بہت بہت شکریہ دوست ۔۔۔ آپ ہم سے الگ رہ کر
کام کر رہے ہیں ۔۔۔ الگ ہی رہیں ۔۔۔ جب کوئی ایسی خبر
فوراً دے دیا کریں ۔۔۔ آؤ دوستو ۔۔۔ ہم ذرا عابد جیلانی
سے دو دو باتیں کر آئیں۔"

"ایک آدمی سے دو دو باتیں کرنے کے لیے ہم سب کی
ضرورت ہے ۔۔۔ ہم ذرا اپنی دو دو باتیں کر لیں گے ۔۔۔
ڈی ایس ایم صاحب کو بھی ان دو دو باتیں میں شریک
ہیں گے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی ۔۔۔ خان رحمان ۔۔۔ تم ہمارا ساتھ دو
ان لوگوں کی باتیں سنو گے۔"

"جیسے پروفیسر صاحب فرمائیں۔" خان رحمان پروفیسر داؤد کی

طرف مڑے ۔۔ آگ لگنے کے زمانے میں انھیں اور ان کے ساتھیوں کو ہوش آ گیا تھا۔

"بھئی میں بھی تھک گیا ہوں ۔۔ اور ان کی باتیں سُن کر تھکن اتار دوں گا۔"

"ہماری باتیں تھکن اتارنے کا ٹانک ہیں کیا انکل؟" آفتاب نے ہنس کر کہا۔

"پتا نہیں ۔۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ تھکن بے چاری غائب ہو جاتی ہے۔" پروفیسر مسکرائے۔

"ہوئی جو بے چاری۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید اور وہ اسی وقت گھر سے روانہ ہو کر عابد جیلانی کی کوٹھی پہنچے ۔۔ راستے میں وہ سوچ رہے تھے کہ عابد جیلانی عین اس وقت ان کے گھر آئے تھے ۔۔ جب جیرال ان کے گھر سے رخصت ہو رہا تھا ۔۔ اس وقت وہ اپنا کوئی مسئلہ لے کر آئے تھے ، لیکن وہ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکے ۔۔ لہٰذا انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کو بھی بتا دیا کہ وہ کس سلسلے میں آئے تھے ۔۔

کوٹھی کے دروازے پر دو مسلح پولیس مین موجود تھے ۔۔ وہ انھیں پہچانتے تھے ، لہٰذا فوراً ان کا کارڈ لے کر اندر چلے گئے دو منٹ بعد دونوں عابد جیلانی کے ڈرائنگ روم میں ان کے سامنے بیٹھے تھے ۔۔ اور وہ حیرت زدہ سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے ۔۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے :

"آپ ایک مسئلے لے کر میرے پاس آئے تھے۔"

"وہ تو ایک ماہ پہلے کی بات ہے ۔۔ اب تو وہ ختم ہو گیا ، پھر ویسی کوئی بات نہیں ہوئی ۔۔ غالباً وہ خود بخود میرا پیچھا چھوڑ گیا۔"

"اوہ اچھا ۔۔ چلیے خیر ۔۔ جس وقت اسلحے کے ڈپو میں آگ لگی ہوئی تھی ۔۔ آپ سے جان ڈگی نے ملاقات کی تھی۔"

"نہیں تو ۔۔ آپ سے کس نے کہ دیا؟"

"آپ اس بات کو چھوڑیں کہ ہم سے یہ بات کس نے کہ دی۔" یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید کو ٹی ایس ایم کا خیال آ گیا ۔۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائے۔

"تو پھر آپ مجھ سے سُن لیں ۔۔ آپ کو کسی نے جھوٹی خبر سنائی ہے ۔۔ میں نے جان ڈگی سے کوئی ملاقات نہیں کی ، ویسے کی ہوتی تو بھی کیا یہ جرم تھا ۔۔ وہ ہمارے مُلک میں آئے ہوتے ہیں ۔۔ ہمارے مہمان ہیں ۔۔ کوئی جرائم پیشہ تو ہیں نہیں۔"

"آپ صرف اتنا بتا دیں کہ ملاقات ہوئی یا نہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا سرد آواز میں بولے۔

"بالکل نہیں۔" انھوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"شکریہ! کیا میں ایک فون کر سکتا ہوں؟"

"دس فون کریں۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

"شکریہ! دس فون کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔"
مسکرائے اور گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ فوراً ہی محمود کی آواز

"السلام علیکم محمود — یہ میں ہوں — ہم جاننا چاہتے ہیں
جان ڈگی نے عابد جیلانی صاحب سے کب اور کہاں ملاقات

"جی بہتر!" محمود نے کہا اور ریسیور ٹی ایس ایم کی طرف بڑ
ہوئے بولا:

"ابا جان جاننا چاہتے ہیں کہ جان ڈگی نے عابد جیلا
کہاں اور کب ملاقات کی تھی۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور ریسیور لے لیا:

"سر — یہ ملاقات کاروان ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۲
ہوئی تھی — پہلے جان ڈگی اس کمرے میں پہنچا تھا — وہاں
اس نے عابد جیلانی کو فون کیا — عابد جیلانی فوراً وہاں پہ
اور دونوں نے تقریباً ایک گھنٹے تک بات چیت کی — ا
بات کی گواہی ہوٹل کا مالک بھی دے گا، کیونکہ ہو
مالک عابد صاحب کو خود کمرے کے دروازے تک چھ
آیا تھا — اور اس نے اندر جان ڈگی کو بھی دیکھا تھا۔"

"بہت خوب — ابھی تم یہیں ٹھہرنا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے
فون بند کر دیا اور اس کی طرف مڑے:

"آپ نے جان ڈگی سے ملاقات ہوٹل کاروان میں کی تھی۔"

"یہ بات درست نہیں۔" وہ بولا۔

"اگر ہم ہوٹل کے مالک کی گواہی دلوا دیں — تو؟"

"کوشش کر دیکھیے — ویسے فرض کیا — میں نے ملاقات کی
تھی — تو پھر کیا یہ کوئی جرم ہے؟" اس نے جل بھن کر کہا۔

"ہاں! بعض وجوہات کی بنا پر یہ جرم بن سکتا ہے اور میں
یہی بات ثابت کروں گا کہ یہ ملاقات مجرمانہ تھی۔"

"پہلے آپ ثابت کریں، پھر مجھ سے بات کریں۔"

"جی نہیں — ہم ثابت بعد میں کرتے رہیں گے — بات آپ
سے پہلے کریں گے۔"

"کریں — پھر بات۔"

"آپ صرف یہ بتا دیں کہ اس ملاقات میں کیا بات چیت
ہوئی تھی — ورنہ آپ کو جیل جانا ہو گا۔"

"کیا کہا — مجھے جیل جانا ہو گا — آپ کا دماغ تو درست
ہے — کیا آپ نہیں جانتے — میں کون ہوں؟"

"آپ وزیرِ خارجہ ہیں — لیکن اگر اس ملک کا صدر بھی
ملک سے غداری کرے گا تو ہم اسے بھی گرفتار کریں گے۔"

حد ہو گئی — اب میں غدار بھی ہو گیا — انسپکٹر جمشید
آپ حد سے بڑھ رہے ہیں — آپ ذرا خاموش رہیں۔
ابھی آپ کو بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔" اس نے نفرت
انداز میں کہا۔

پھر اس نے فون پر کسی کے نمبر ملائے — سلسلہ ملنے
اس نے کہا :

"میں یہاں آپ کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا
انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا مجھے پریشان کیے دے رہے
ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"آپ مدد کے لیے کسی کو بھی بلا لیں — ہم اپنا کام
رہیں گے — یا تو آپ جان ڈگی سے ملاقات کی تفصیل بتا
گے — یا پھر حوالات میں جائیں گے۔"

"آپ دونوں کے دماغ چل گئے ہیں — میں اس ملک
وزیرِ خارجہ ہوں۔"

"تو کیا وزیرِ خارجہ ہونے کے ناطے — آپ کسی سے
خفیہ ملاقات کر سکتے ہیں — کسی ملک دشمن سے" انھوں
طنزیہ انداز میں کہا۔

"اگر جان ڈگی مجرم ہے تو ضرور میرا اس سے بات
غلط ہے۔" اس نے کہا۔

اس کا ملک دشمن ہونا ڈپو والے واقعے سے ثابت ہے۔"
"وہ کیسے — اور اگر وہ مجرم ثابت ہو چکا تھا تو اسے
گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟"

"اس نے ہمارے ملک میں براہِ راست کوئی جرم نہیں کیا کہ
اسے گرفتار کیا جاتا — لیکن جو تجویز وہ لے کر آیا تھا،
اس سے ملک دشمنی کی بو آتی تھی — وہ سارے شہر کو بلکہ
آس پاس کے شہروں کو خالی کرانا چاہتا تھا — اور آگ بجھانے
کے لیے چھ ماہ کی مہلت مانگ رہا تھا، جب کہ ہمارے
دلیروں نے آگ پر صرف ایک ماہ میں قابو پا لیا اور کسی کو گھر
چھوڑ کر نہیں جانا پڑا — ہاں جن کے مقدر میں شہادت تھی، وہ
آگ پر قابو پانے کے دوران شہید ہو گئے — آخر انشارجہ
کی ٹیم چھ ماہ تک یہاں کیا کرنا چاہتی تھی؟ سوال تو یہ
ہے — اور آپ نے اس ٹیم کے انچارج سے خفیہ ملاقات
کی ہے، جب کہ وزیرِ خارجہ ہونے کے ناطے آپ کسی غیر ملکی
سے خفیہ ملاقات نہیں کر سکتے۔"

"مجھے قانون پڑھانے کی ضرورت نہیں۔" عابد جیلانی نے
جھلا کر کہا۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی، پھر ایک ملازم لمبے
قد کے ایک بارعب آدمی کو لیے اندر داخل ہوا، لمبے آدمی

نے فوراً کہا۔

"جیلانی صاحب ۔۔ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا آپ کو پریشان کر رہے ہیں؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"تب پھر آپ کو تو فوراً پولیس کو فون کرنا چاہیے تھا۔"

"اوہ ہاں! مجھے پولیس کو بلانا چاہیے تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ۔۔ یہ کام اب میں کیے دیتا ہوں۔"

اور پھر لمبے آدمی نے پولیس کو فون کر دیا، لیکن ان کے نام لیے بغیر کہا:

"دو آدمی وزیر خارجہ کو پریشان کر رہے ہیں ۔ فوراً آئیں میں ان کا وکیل شوکت غزالی بات کر رہا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔

دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو آپ ان کے وکیل ہیں ۔ لیکن آپ نے آتے ہی پولیس کو فون کر دیا ۔۔ یہ نہیں پوچھا ۔۔ بات کیا ہے۔"

"یہ آپ اب بتا دیں۔"

انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی ساری بات دہرا دی۔ شوکت غزالی نے سن کر برا سا منہ بنایا اور جھلا کر بولا:

"بس! آپ اتنی سی بات پر انھیں گرفتار کرنے کا خواب

دیکھ رہے ہیں۔"

"کیا آپ کے نزدیک ان کا یہ فعل قانوناً غلط نہیں ہے؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"بہت خوب ۔۔ اب فیصلہ عدالت کرے گی۔"

"تو آپ انھیں عدالت میں طلب کریں ۔۔ گرفتار کس طرح کر سکتے ہیں؟"

"اور میرا خیال ہے ۔۔ گرفتاری بھی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آخر کس دفعہ کے تحت ۔۔ ذرا میں بھی تو سنوں ۔۔ ساری زندگی ہو گئی ہے وکالت کرتے۔"

"ہوں خیر ۔۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ۔۔ ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

آخر دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی ۔۔ ایک پولیس آفیسر اپنے بہت سے ماتحتوں کے ساتھ اندر آ گیا۔

"سر ۔۔ آپ نے فون کیا تھا؟" اس نے وکیل کی طرف دیکھا۔

"ہاں! یہ دونوں حضرات محترم عابد جیلانی صاحب کو پریشان کر رہے تھے ۔۔ آپ انھیں گرفتار کر لیں۔"

پولیس آفیسر ان کی طرف مڑا اور زور سے اچھلا:

"یہ ۔۔ یہ تو انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا صاحبان ہیں۔"

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے ۔۔ کیا کوئی جرم کرنے پر انھیں

گرفتار نہیں کیا جا سکتا؟"

"ضرور گرفتار کیا جا سکتا ہے، لیکن پہلے جرم تو ثابت ہو۔"

اب اسے تفصیل سنائی گئی — پولیس آفیسر چکرا کر رہ گیا، اور پھر اس نے کہا:

"بہتر یہ ہو گا کہ آپ معاملہ عدالت میں لے جائیں — نہ آپ انھیں گرفتار کرائیں، نہ یہ آپ کو۔"

"ہم ایسا کر لیتے ہیں، لیکن اگر یہ ملک سے فرار ہو گئے تو کیا آپ ذمے دار ہوں گے؟" انھوں نے طنزیہ لہجے میں کہا —

"نن نہیں — لیکن یہ تو ملک کے وزیر خارجہ ہیں — فرار کیوں ہونے لگے؟"

"کہیں چھپ تو سکتے ہیں۔"

"آخر مجھے چھپنے کی ضرورت کیا ہے — میں نے کیا جرم کیا ہے؟" عابد جیلانی نے کہا۔

"آپ ہمارے ملک کے وزیر خارجہ ہیں — انشارجہ کے ایک اہم آدمی نے جس پر ہم پہلے ہی شک کر رہے ہیں، آپ سے آخر خفیہ ملاقات کیوں کی — اچھا چلیے، یہ بتا دیں کہ اس ملاقات میں کیا باتیں ہوئیں؟"

"وہ اِدھر اُدھر کی باتیں تھیں، موسم کی باتیں — صحت اور

بیماری کی باتیں — اور بس۔"

"یہ باتیں بالکل تنہائی میں کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہم نے کسی کو اس گفتگو میں شریک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی — ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اتنی سی بات پر بھی ہم پر شک کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا اس گفتگو کو ریکارڈ کیا گیا تھا — چلیے اس گفتگو کی کیسٹ دے دیں۔"

"افسوس! ہم نے اس بات چیت کو ریکارڈ نہیں کیا تھا۔"

"آپ سن رہے ہیں وکیل صاحب؟"

"ہاں! سن رہا ہوں — اور یہ بالکل درست جوابات دے رہے ہیں۔"

"چلو چھٹی ہو گئی — پھر تو اس ملک میں کوئی کچھ کرے، وہ بالکل درست ہو گا — چاہے ملکی راز ہی کیوں نہ غیر ملکی ایجنٹ کے حوالے کر دیے جائیں۔"

"یہ — یہ کیا کہہ دیا آپ نے؟" عابد جیلانی چلا اٹھے۔

"ہاں! میں آپ پر الزام لگاتا ہوں — آپ نے اس خفیہ ملاقات میں ملک کے راز جان ڈگی کے حوالے کیے ہیں۔"

"کیا!!" وہ ایک ساتھ چلا اٹھے —

خبریں

کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا — یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے اب کوئی کچھ نہ کہہ سکے گا — آخر عابد جیلانی کی آواز ابھری:

"ٹھیک ہے — آپ اس بات کا ثبوت پیش کریں، ورنہ آپ اپنی ملازمت پر برقرار نہیں رہ سکیں گے۔"

"کوئی بات نہیں، آپ مجھے اپنے گھر کی تلاشی لینے کی اجازت دیں۔"

"اجازت دی۔" وہ بولے۔

انسپکٹر جمشید نے اسی وقت گھر فون کیا، محمود کی آواز سن کر وہ بولے:

"یار معاف کرنا — تم لوگوں کے لیے ایک کام نکل آیا ہے — عابد جیلانی صاحب کے گھر سے غیر ملکی مواد تلاش کرنا ہے — میرا دعویٰ ہے کہ وہ انشارجہ کے جاسوس کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔"

"ارے باپ رے — کیا آپ یہ دعویٰ صرف اس ملاقات کی بنیاد پر کر رہے ہیں۔" محمود کانپ گیا۔

"اس بنیاد پر تو میں نے صرف ان سے ملاقات کی تھی — اور ملاقات کے دوران میں جو کیا کرتا ہوں — وہ تم جانتے ہی ہو۔"

"تو ہم اسی وقت روانہ ہو جاتے ہیں۔"

"دو عدد مجسٹریٹ ضرور ساتھ لے آنا اور جو چیز برآمد کرو، اس پر ان کے دستخط کرا لینا، کیونکہ یہ معاملہ ٹیڑھا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور عابد جیلانی کی طرف دیکھا — ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا:

"لیکن آپ خود تلاشی کیوں نہیں لے لیتے؟"

"ہم بھی تلاشی میں اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکتے ہیں، اگر ضرورت پیش آئی — ارے ہاں! ایک کام تو رہ ہی گیا۔" یہ کہہ کر انھوں نے اکرام کو فون کیا:

"اکرام — تم ہوٹل کاروان کے مینجر کو عابد جیلانی صاحب کی کوٹھی پر لے آؤ۔"

"جی بہت بہتر!"

اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

جلد ہی چھوٹی پارٹی مجسٹریٹوں سمیت آگئی — تلاشی کا عمل شروع ہوا — انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا، خان رحمان اور پروفیسر داؤد عابد جیلانی اور اس کے وکیل کے پاس بیٹھے رہے۔

"بہت زبردست محاورے بازی ہو رہی تھی جمشید — جب تمھارا فون آیا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"کوئی بات نہیں — یہ کام تو یہ تلاشی کے دوران بھی کر لیں گے۔" انھوں نے کہا۔

اور پھر صرف پندرہ منٹ بعد چھوٹی پارٹی ایسے کاغذات لیے وہاں آگئی — جن کی رو سے عابد جیلانی صاحب انتارد کے جاسوس کے طور پر کام کر رہے تھے — اس کے وکیل نے جب وہ کاغذات دیکھے تو بھنا کر اٹھ کھڑا ہوا:

"معاف کرنا جیلانی صاحب — اب میں آپ کی وکالت نہیں کروں گا — اب آپ جانیں، آپ کا کام۔"

اور پھر جیلانی صاحب کو گرفتار کرکے دفتر لایا گیا:

"ہاں! اب بتائیں — آپ نے جان ڈگی سے کیا بات چیت کی؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"نہیں بتاؤں گا — تم مجھے حوالات میں زیادہ دیر نہیں رکھ سکو گے۔"

"یہ بات میں جانتا ہوں — اسی لیے اس سے پہلے پہلے

معلوم کرلینا چاہتا ہوں — کیا بات چیت ہوئی تھی۔"

"میں نے ملاقات ہی نہیں کی۔"

عین اس لمحے اکرام ہوٹل کے مینجر کو لیے اندر داخل ہوا:

"یہ مینجر صاحب ہیں — ہوٹل کے مالک بھی یہی ہیں — میں اسے لے کر پہلے عابد جیلانی صاحب کی کوٹھی پہنچے، وہاں آپ نہ ملے تو اسے یہاں لے آیا — اس نے اقرار کیا ہے کہ عابد جیلانی صاحب نے جان ڈگی سے ان کے ہوٹل کے ایک کمرے میں ملاقات کی تھی — یہ اس ملاقات کے چشم دید گواہ ہیں۔"

"کیوں شاہزادے — کیا یہ بات تم نے تسلیم کی ہے — یا یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں؟" عابد جیلانی نے آنکھیں نکالیں۔

"یہ میں نے اقرار کیا ہے سر — اس لیے کہ میں ان لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اور مجھے؟" وہ بولے۔

"آپ کا سورج تو اب غروب ہونے والا ہے — جس کے پیچھے یہ لوگ پڑ جاتے ہیں، اسے کب چھوڑتے ہیں۔"

"تب پھر تمھاری قبر بھی ان کے ساتھ بنے گی۔"

"ارے باپ رے — یہ تو الٹا کام ہو گیا — انسپکٹر صاحب آپ نے تو یقین دلایا تھا کہ جیلانی صاحب کے خلاف ثبوت مکمل ہو چکا ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" اکرام کی بجائے انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"اگر اس میں کوئی شک نہیں تو پھر جیلانی صاحب تو والی بات کیوں کر رہے ہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہر شخص اپنی عادت کے مطابق بات کرتا ہے — اکرام کیا تم ان کا تحریری بیان لے چکے ہو؟"

"یس سر۔"

"تو پھر اب انھیں ملک کی کوئی عدالت رہا نہیں کر سکتی — ان کے خلاف ہمارے پاس مکمل ثبوت ہیں۔"

"اس کے باوجود رہائی میرا مقدر ہے اور ادھر میں رہا ہوں گا، ادھر تم پر مصیبت نازل ہو جائے گی، اس لیے کہ..."

"اس لیے کہ کیا؟"

"اس لیے کہ انشارجہ میرے لیے بھی جبرال کو بھیج سکتا ہے۔"

"کیا!!!" وہ بلند آواز میں چلا اٹھے۔

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے انداز میں بولے:

"کیا واقعی — آپ کو یقین ہے — انشارجہ آپ کے لیے جبرال کو بھیج دے گا؟"

"ہاں! میری ان کے نزدیک بہت اہمیت ہے۔"

"لیکن یہ باتیں سامنے آ جانے کے بعد اب کیا اہمیت رہ جائے گی۔"

"اتنی ہی — انھوں نے اعلانیہ اپنے تمام ذمے دار لوگوں کے سامنے یہ بات کہی تھی کہ اگر میں انشارجہ کے لیے اپنے ملک میں کام کروں گا تو ہر مشکل میں انشارجہ آپ کے کام آئے گا — اور اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گی تو انشارجہ آپ کو پناہ دے گا — لہٰذا اب میں وہاں جا کر رہ سکتا ہوں، مجھے تو اس صورت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"لیکن آپ کی وزارت تو چھن جائے گی۔"

"کوئی بات نہیں — اوّل تو ایسا ہو گا نہیں — ابھی جلد ہی آپ دیکھ لیں گے۔"

ایک گھنٹے بعد صدر صاحب کا فون آیا، وہ کہہ رہے تھے:

"یہ تم نے کیا کیا ہے جمشید — عابد جیلانی کو حوالات میں بند کر دیا — ایسا کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ تو لیتے۔"

"کیا اس سے پہلے کسی مجرم کو گرفتار کرنے سے پہلے میں آپ سے اجازت لیتا ہوں سر؟"

"نہیں — لیکن یہ معاملہ تو وزیرِ خارجہ کا تھا۔"

"ایک غدار کا کیس سر۔"

"انشارجہ کی حکومت طرح طرح کی دھمکیاں دے رہی ہے۔"

"تو دیتی رہے — ہم کیا ڈریں اس سے۔"

"جمشید تم سمجھنے کی کوشش کرو — عابد جیلانی کو حوالات سے باہر نکال دو، پھر چاہے وہ انشارجہ چلے جائیں۔"

"یہ نہیں ہو گا سر — وہ ہمارے ملک کے مجرم ہیں — انھیں یہیں کی حوالات میں رہنا ہو گا۔"

"جمشید! تم نے میرا حکم نہیں سنا۔"

"آپ ایک غدار کو چھوڑنے کا حکم دے رہے ہیں سر؟"

"ہاں چلو! یہی بات سہی — بس تم چھوڑ دو — میرے لیے چھوڑ دو۔"

"بہت بہتر سر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان کا لہجہ اس لمحے سرد ہو گیا — ان کے ساتھی کانپ گئے — پھر وہ حوالات تک آئے — دروازہ کھلوایا گیا تو عابد جیلانی نے طنزیہ انداز میں کہا:

"کیوں — ہو گئی نا شکست۔"

"نہیں — شکست آپ کی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"دل کے پھپھولے پھوڑنے سے کچھ نہیں ہو گا — اب

تو صبر کرنا ہو گا۔"

"آپ جا سکتے ہیں — میرے غصے کو آواز دینے کی کوشش نہ کریں۔"

"ورنہ تم کیا کر لو گے؟" وہ غرائے۔

"پھر آپ یہاں سے جا نہیں سکیں گے۔" ان کا چہرہ سرخ ہو گیا —

عابد جیلانی کچھ کہتے کہتے رک گئے، پھر سر کو ایک جھٹکا دے کر باہر نکل گئے — باہر ان کی لمبی سی ایک کار کھڑی تھی — باہر نکل کر اس نے طنزیہ انداز میں مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور جا کر کار میں بیٹھ گئے۔

"یہ کیا ہوا سر؟" اکرام بڑبڑایا۔

"ہمارے صدر اس قدر مجبور ہیں — یہ بات بہت عجیب ہے۔" وہ بولے۔

"سوال یہ ہے کہ اب آپ کا کیا پروگرام ہے — اس طرح بھی کوئی کیس ختم ہو سکتا ہے — یہ تو ہم نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔"

"نہیں! یہ کیس ختم نہیں ہوا — یہ کیس جیرال کو شکست دیے بغیر ختم نہیں ہو گا۔"

"جیرال — اب یہاں کہاں — وہ تو انشارجہ جا چکا ہو گا —

پوری حکومت سے مبارک بادیں وصول کر رہا ہوگا۔"

"تو کیا ہوا — ہم بھی تو وہاں جا سکتے ہیں۔"

"واہ! کتنا مزا آئے گا — جب ہمارا جیرال بے [illegible] ہوگا — تو کیا ہم تیاری شروع کر دیں؟"

"ہاں بالکل۔"

"اور اب آپ عابد جیلانی کا کیا کریں گے؟" شوکی نے پوچھا۔

"کل کے اخبارات میں پڑھ لینا۔" انھوں نے پُراسرار انداز میں کہا —

دوسرے دن کے اخبارات میں عابد جیلانی کے ایک حادثے میں مرنے کی خبریں پڑھ کر وہ سکتے میں آگئے۔

نکلنا ہوگا

جیرال اپنے عالی شان گھر میں موجود تھا — اس کے چہرے پر شدید ناگواری کے آثار تھے — اس وقت تک وہ لاکھوں فون، لاکھوں تار اور اَن گنت خطوط وصول کر چکا تھا — ان سب میں اسے اس زبردست کامیابی پر مبارک باد دی گئی تھی — اور اب اس کی یہ حالت تھی کہ وہ مزید ایک بھی مبارک باد وصول کرنے کے موڈ میں نہیں تھا — ایسے میں اس کے نائب نے بتایا — انثارجہ کے صدر اس سے بات کرنا چاہتے ہیں — اس نے فوراً ریسیور اٹھا لیا:

"یس سر۔"

"انثارجہ کے تمام بڑے لوگ آپ کے ساتھ ایک شام منانا چاہتے ہیں۔"

"ابھی اس شام کا وقت نہیں آیا سر۔" جیرال بولا۔

"وہ کیسے؟"

"ابھی میری مہم مکمل نہیں ہوئی۔"

"کیا مطلب — مکمل کیسے نہیں ہوئی۔"

"انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو آپ کیا سمجھتے ہیں۔ اس شکست کا بدلہ لینے یہاں ضرور آئیں گے — بلکہ میرا اندازہ ہے — وہ انشارجہ میں داخل ہو چکے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — جب کہ ہم نے ان کی آمد کے پیشِ نظر تمام راستوں کی زبردست نگرانی شروع کرا رکھی ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے، لیکن اس کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ آ چکے ہیں — اس لیے فی الحال یہ دعوت نہیں ہوگی۔"

"لیکن مسٹر جیرال یہ دعوت تو ہو کر رہے گی۔"

"ٹھیک ہے سر — میں آ جاؤں گا — لیکن نتیجے کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے — ہم خود ذمے دار ہوں گے۔"

"اچھی بات ہے — یہ دعوت کب اور کہاں ہو رہی ہے۔"

"کل — کونسل ہال میں — آپ اس شام کے مہمان خصوصی ہوں گے۔"

"او کے سر — میں حاضر ہو جاؤں گا — بلکہ میں ابھی سے اپنے آدمی مقرر کر رہا ہوں، تاکہ اس دعوت میں ان میں سے کوئی داخل نہ ہونے پائے۔"

"وہ بھلا اس دعوت میں کیسے آ سکتے ہیں — جب کہ داخلہ صرف کارڈ کے ذریعے ہو سکے گا۔"

"آپ انھیں نہیں جانتے سر — میں ان کے ملک میں اپنا کام کر چکا — اب ان کی باری ہے — وہ میری اپنے ملک میں آمد سے بے خبر تھے — بلکہ وہ تو جیرال کو ختم کر چکے تھے — سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جیرال پھر ان کے مقابل آنے والا ہے — لہٰذا بے خبری میں مار کھا گئے — اور جس لمحے آگ لگائی جانے والی تھی، میں نے انھیں ایک دوسری طرف مصروف رکھا — لیکن اب ان کی باری ہے سر۔" جیرال نے جلدی جلدی کہا۔

"میں تو کہتا ہوں — وہ ادھر کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے — لیکن پھر بھی حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں جو جی میں کرو۔"

"بہت بہت شکریہ — میں ان سے نبٹ لوں گا۔"

اور پھر فون بند کر دیا گیا —

اب جیرال نے اِدھر اُدھر فون کرنا شروع کیے — اپنے ماتحتوں کو اس نے انسپکٹر جمشید وغیرہ کے بارے میں ہدایات دیں — ایسے میں اچانک اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں — فرش پر اسے جوتے کا ایک نشان نظر

آیا تھا — جو اس کے اپنے جوتے کا نہیں ہو سکتا تھا،
فرش بالکل گرد آلود نہیں تھا — یہ جوتا تو کیچڑ میں
کر اندر لایا گیا تھا — اور جوتا تھا بھی قدرے چھوٹے
سائز کا —

"یہ — یہ — یہ کیا — یہ کیسے ممکن ہے"؟ جیرال کے منہ
سے نکلا۔

"یہ بالکل اسی طرح ممکن ہے چچا جیرال جس طرح تم
ہمارے گھر میں آ گئے تھے"۔

اس آواز نے تو جیرال کو اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا۔
سر اٹھایا تو فاروق سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا:

"کیا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں"۔ جیرال بولا۔

"ہاں! یہ خواب ہی ہے، لیکن جاگتی آنکھوں کا خواب
کیسے پسند آیا انکل"؟ فاروق کی شوخ آواز ابھری۔

"تت — تو کیا — تم اکیلے ہو"؟

"نن نہیں تو — میں کیوں ہوتا اکیلا — یار آفتاب — آ
جاؤ تم بھی"۔

گھر کے ایک کونے سے نکل کر آفتاب بھی اس کے برابر
آ کھڑا ہوا:

"اس کا مطلب ہے — دونوں پارٹیاں انشارجہ میں موجود ہیں"۔

جیرال بولا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں انکل آپ کچھ تو سوچیں — بھئی شوکی
تم بھی سامنے آ جاؤ"۔

شوکی بھی تاریکی سے نکل کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا، جیرال
اور بھی حیران ہو گیا:

"باقی لوگ کہاں ہیں"؟

"گھر کے مختلف حصوں میں موجود ہیں"۔

"تب پھر تم لوگ میرے گھر میں مہمان ہو، آ جاؤ بیٹھ کر
بات کر لیتے ہیں"۔ جیرال نے دوستانہ انداز میں کہا۔

پھر سبھی لوگ جیرال کے سامنے آ گئے —

"اسے کہتے ہیں کاری گری — ہم سب لوگ آپ کے گھر میں
داخل ہو گئے اور آپ کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوئی"۔

"واقعی — یہ میرے لیے بہت حیرت انگیز ہے"۔

"اور ہم نے وہ گفتگو بھی سن لی جو صدر نے آپ سے کی
ہے — پھر آپ نے ہمارے بارے میں جو ہدایات دی
ہیں، ہم وہ بھی سن چکے ہیں"۔ آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"مان گیا میں تم لوگوں کو — تم حیرت انگیز صلاحیتوں کے
مالک ہو — تم پہلے انشارجہ میں داخل کس طرح ہو گئے اور حد
یہ کہ میرے گھر میں بھی داخل ہو گئے — آخر کیسے"؟

"ترکیب نمبر ۱۲ کے ذریعے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے، تم لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر آئے ہو۔"

"ہم نے آنا تھا، آ گئے ــ آپ ہماری کاری گری مان لیں ــ اور ہاں ــ ہمیں کھانا وانا کھلا رہے ہیں یا نہیں؟"

"ضرور کیوں نہیں ــ تم لوگ میرے مہمان ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی ــ فوراً ہی ایک ملازم اندر داخل ہوا اور کمرے میں اتنے بہت سے افراد کو دیکھ کر دھک سے رہ گیا:

"یہ ــ یہ کیا ــ یہ لوگ اندر کیسے داخل ہوئے؟"

"اسی سے اندازہ لگا لو کہ تم کتنے بڑے اُلو کے پٹھے ہو، اتنے لوگ اندر داخل ہو گئے اور تمہیں پتا تک نہیں چلا۔"

"حد ہو گئی ــ آپ بھی گالیاں دیتے ہیں انکل۔" اشفاق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اوہ ــ معافی چاہتا ہوں۔"

"معاف کیا ــ ہم معاف کرنے میں بہت شیر ہیں ــ اور بھی دو چار معافیوں کی اگر ضرورت ہو تو وہ بھی لے لیں۔" آفتاب مسکرایا۔

"مسٹر جیرال! آپ اگرچہ اپنے منصوبے میں پوری طرح کامیاب رہے ہیں، لیکن ہمارے سچے مجاہدوں نے اس آگ پر ایک

مدت کے اندر قابو پا لیا تھا ــ اور اس طرح اسلحے کا پورا ڈپو نہیں جل سکا۔"

"میرا کام تو صرف اتنا تھا کہ ڈپو کو آگ لگا دوں ــ اس کے بعد کی کوئی ذمے داری مجھے نہیں سونپی گئی تھی ــ انشارجہ کی حکومت اگر یہ کہتی کہ آگ لگانے کے بعد اس کے مکمل طور پر جل کر راکھ ہونے تک میری ذمے داری ہے تو پھر میں وہاں ٹھہرتا اور آگ کو کسی بھی صورت بجھنے نہ دیتا۔" جیرال نے بڑی جلدی کہا۔

"آپ کی طرح ہم بھی با اُصول ہیں ــ دیکھ لیں ــ انشارجہ آ کر آپ کے سامنے موجود ہیں ــ اب ہم اس دعوت میں ضرور شریک ہوں گے ــ آپ ہمیں وہاں شرکت کرنے سے روک نہیں سکیں گے۔"

"دیکھا جائے گا ــ اس دعوت میں ایسی کون سی بات ہے کہ تم لوگوں کے شرکت کرنے سے انشارجہ کو نقصان ہو جائے گا ــ شوق سے شرکت کریں۔" جیرال بولا۔

"آپ ہمیں اگر روکنا چاہیں ــ تو پولیس بُلا سکتے ہیں ــ یا اپنے آدمیوں کے زور پر روکنا چاہیں تو ہم دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"نہیں! میں گھر آئے مہمانوں کو گرفتار نہیں کروں گا ــ

"ویسے کیا منصوبہ لے کر آئے ہیں؟" اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"آپ کو اس وقت پتا لگے گا جب ہم کامیاب ہو چکے ہوں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" جیرال نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اور اگر ایسا ہو گیا تو؟"

"تو میں آپ لوگوں کو باعزت طور پر یہاں سے رخصت ہو جانے دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"اگر آپ یہ وعدہ نہ کریں تو بھی ہم باعزت طور پر ہی یہاں سے رخصت ہوں گے۔"

"چلو یہ بھی دیکھ لیں گے۔"

اتنے میں ملازم کھانا لے آیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کھانے میں زہر نہیں ہے۔ اگر آپ لوگوں کو یہیں ختم کرنا ہوتا تو یہ میرے لیے ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔"

"خام خیالی ہے آپ کی۔"

"اس وقت آپ لوگوں کو چیلنج کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ ورنہ اسی وقت فیصلہ ہو جاتا۔ آپ جب تک میرے گھر کی حدود سے نکل نہیں جاتے۔ میں آپ لوگوں

پر وار نہیں کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ آج ہم آپ کی دعوت قبول کرتے ہیں، کبھی ہم آپ کو دعوت کھلا دیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

ان کے ساتھیوں نے یہ الفاظ حیرت زدہ انداز میں سنے، ایک دشمن کے ہاں کھانے کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور انسپکٹر جمشید تو خود اس بات کے بالکل خلاف تھے، لیکن آج وہ خود کہہ رہے تھے کہ دعوت قبول کرتے ہیں۔ ان کے چہروں پر حیرت دیکھ کر وہ بولے:

"کوئی بات نہیں بھئی۔ آپ سب کھانا کھائیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔"

کھانا کھا کر انھوں نے جیرال کی طرف دیکھا، الوداعی انداز میں ہاتھ ہلائے اور باہر نکل آئے۔ اسی وقت جیرال وائرلیس پر جھک گیا اور ہدایات دینے لگا:

"سنو! انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی اس وقت میرے گھر سے نکلے ہیں۔ ان کی نگرانی کرو۔ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔"

"او کے سر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد اس نے پھر وائرلیس پر رابطہ کیا:

"ہاں ! کیا رپورٹ ہے — وہ لوگ اس وقت کہاں ہیں؟"

"وہ — ہمیں افسوس ہے سر۔"

"افسوس ہے — کیا مطلب ؟"

"وہ ہمیں چکر دے گئے — اور اب ہم نہیں جانتے — وہ کہاں ہیں۔"

"کیا !!! خیر — اب مجھے خود گھر سے باہر نکلنا ہوگا۔"
یہ کہ کر جیرال اٹھ کھڑا ہوا۔

خط

کونسل ہال میں مہمانوں کی آمد شروع تھی — جیرال اس ہال کے دروازے کی خود نگرانی کر رہا تھا — اس نے صرف ایک دروازہ کھلوایا تھا — ہر آنے والے کو وہ خود بغور دیکھ رہا تھا — آخر تمام مہمان آ گئے اور اس نے دروازہ بند کروا دیا، ساتھ ہی اس نے حکم دیا:

"اب کوئی بھی اندر نہیں آئے گا۔"

"او کے سر۔"

وہ اندر کی طرف چل پڑا — اچانک اس کی نظر راہداری کے فرش پر پڑی — وہ بہت زور سے اچھلا — کیچڑ میں بھرے ہوئے ایک جوتے کا نشان فرش پر موجود تھا — اس کی آنکھوں میں حیرت کے دیئے جل اٹھے:

"حیرت ہے — یہ لوگ تو اندر موجود ہیں — بھئی واہ — کمال ہے۔"

اب اس نے تمام مہمانوں کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ ادھر دعوت شروع ہو چکی تھی۔ لوگ کھانے پینے اور گپیں ہانکنے میں مصروف تھے۔ اور جیرال ان لوگوں کو تلاش کر رہا تھا۔ اس نے ایک ایک مہمان اور مہمانوں کے ساتھ آنے ہوئے بچوں کو غور سے دیکھ ڈالا۔ لیکن وہ لوگ اسے کہیں بھی نظر نہ آئے۔ اچانک اسے کھانا تیار کرنے والوں کا خیال آیا۔ وہ اس طرف لپکا۔ کھانا تیار کرنے والوں کو اس نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اس پارٹی کا آدمی نظر نہ آیا۔ اب اس کا خیال سامان لانے والوں کی طرف گیا۔ ان کی گاڑیاں عمارت سے باہر کھڑی تھیں۔ وہ دروازے پر پہنچا۔

"دروازہ بند کروا دینے کے بعد تو کوئی نہیں آیا؟"

"جی نہیں۔"

اب دروازہ کھلوا کر وہ ان گاڑیوں کی طرف آیا۔ ان میں متعلقہ لوگ بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ وہ ان سب کو باری باری دیکھنے لگا۔ آخر تھک ہار کر واپس پلٹا۔ ایسے میں ایک بیرے نے اسے ایک لفافہ دیا:

"یہ کیا ہے؟"

"آپ کے نام ایک خط ہے سر۔"

"کس نے دیا؟"

"مہمانوں میں شریک ایک مہمان نے دیا ہے سر۔"

"کیا تم اسے پہچان لو گے؟"

"نہیں سر۔ میں اسے صرف ایک نظر دیکھ سکا۔ بس وہ لفافہ دے کر آگے بڑھ گیا تھا۔ لفافے پر چونکہ آپ کا نام ہے، لہٰذا میں نے یہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرو۔"

بیرا آگے بڑھ گیا تو اس نے لفافہ چاک کیا۔ اندر ایک چھوٹا سا پرزہ موجود تھا، اس پر لکھا تھا:

"کیوں انکل جیرال!

ہو گئی نا ساری چالاکی ہوا۔ نکل گئی نا ساری اکڑ فوں۔ بڑے چالاک بنتے ہیں۔ پہلے اس دعوت میں ہمیں تلاش ہی کر کے دکھا دیں۔ مان جائیں گے آپ کو۔

آپ کا بھتیجا: فاروق احمد۔"

جیرال کا سر گھوم گیا۔ اس کے لیے یہ سب کچھ حد درجے عجیب تھا۔ اوّل تو ان لوگوں کے اس ہال میں آنے کے اس نے امکانات نہیں چھوڑے تھے۔ دوسرے یہ کہ اندر جوتے کا نشان دیکھ کر اس نے ہال میں موجود تمام لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھا تھا اور اسے پختہ یقین تھا کہ جن لوگوں کے چہرے

اس نے دیکھے تھے۔ ان میں سے انسپکٹر جمشید یا ان کے کسی
کا چہرہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا — پھر آخر یہ لوگ کہاں تھے
اور کیسے اندر داخل ہوتے تھے —
"شاید میں بیا ہوں — ابھی پوری طرح انہیں سمجھنے کے
قابل نہیں ہوا۔" وہ بڑبڑایا۔
پھر مہمانوں کی واپسی شروع ہوئی، وہ ایک ایک چہرے
کو غور سے دیکھنے لگا — یہاں تک کہ سب لوگ رخصت ہو
گئے — اب ہال خالی ہو چکا تھا — صرف عملے کے لوگ
باقی تھے — اس نے عملے کے لوگوں کو بھی بغور دیکھا — عملے
کے سب لوگ اصلی تھے — اس نے ایک بار پھر پوری عمارت
کا جائزہ لیا — اب وہاں کوئی نہیں رہ گیا تھا — اس نے
عمارت کے تمام دروازے باہر سے بند کرا دیے اور خود عمارت
کے اندر رہ گیا — اس وقت اس نے قدرے بلند آواز میں
کہا:
"تم لوگ کہاں ہو دوستو — میں تمہیں مان گیا — سامنے آ
جاؤ — میں کچھ نہیں کہوں گا — نہ تمہیں جانے سے روکوں گا
اور اگر تم ملک سے نکل جانا چاہو تو بھی نہیں روکوں گا —
صرف اس صورت میں روکوں گا — اگر تم لوگ انشارجہ کو کوئی
نقصان پہنچاؤ گے۔"

"آپ آنکھیں بند کریں — ہم آپ کے سامنے آ جائیں گے۔"
...تب کی چہکتی آواز سنائی دی۔
وہ زور سے اچھلا — اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ اب ہال
میں موجود نہیں ہوں گے — اس نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔
"ایسے نہیں انکل جیرال — آنکھیں پوری طرح بند کریں — آپ
نے پوری طرح آنکھیں بند نہیں کیں۔ آپ یوں کریں — اپنا چہرہ
دوسری طرف کر لیں۔"
"میں منہ دوسری طرف کر رہا ہوں — تم لوگ سامنے آجاؤ،
میں ملاقات کے لیے بہت بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔"
یہ کہہ کر اس نے منہ دوسری طرف کر لیا، پھر ایک منٹ
بعد اس نے کہا:
"آخر میں کب تک اس طرح کھڑا رہوں گا؟"
"ہم تعداد میں کافی ہیں نا انکل — آخر یہاں تک آنے
میں کچھ تو وقت لگے گا — تقریباً نصف آدمی آ چکے ہیں —
بس ایک منٹ اور صبر کریں۔"
"اچھی بات ہے۔" جیرال نے جل کر کہا۔
"دیکھیے انکل جیرال جلنے بھننے سے آدمی کسی کام کا نہیں رہ
جاتا، جب کہ ہم چاہتے ہیں — آپ ہم سے شکست کھانے
تک تو کسی کام کے ضرور رہیں۔"

"او کے۔" جیرال ہنسا۔

پھر ایک منٹ اور گزر گیا تو انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اب آپ اس طرف گھوم سکتے ہیں۔"

جیرال گھوما تو سب لوگ اس کے سامنے تھے۔ اس کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت نظر آئی:

"آخر آپ لوگ کیا چیز ہیں۔ آپ ہال میں داخل کس طرح ہوئے اور چھپے ہوئے کہاں تھے؟"

"اس سوال کا جواب آپ کو خود تلاش کرنا ہوگا۔ ویسے جواب بہت آسان ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہم نے اس ہال میں داخل ہو کر صرف دعوت نہیں اڑائی، بلکہ کچھ کام بھی کیا ہے۔"

"کیسا کام کیا ہے؟"

"یہ ہم کیوں بتائیں۔ اب آپ وعدے کے مطابق ہمیں یہاں سے نکل جانے دیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اوہ ہاں! ضرور، کیوں نہیں۔" اس نے دوستانہ انداز میں کہا۔

عین اس وقت عمارت سے باہر بے شمار گاڑیاں رُکنے کی آواز سنائی دی۔ جیرال کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"تو آپ نے دھوکا کیا جنگل ایرال۔" فاروق نے نفرت زدہ

آواز میں کہا۔

"[illegible]ن نہیں — یہ بات نہیں ہے — لیکن میں بھول گیا تھا — ہم نے یہ انتظامات پہلے سے کر رکھے تھے کہ اس عمارت میں ہونے والی ساری بات چیت یہاں سے کچھ فاصلے پر [illegible] محکمہ سراغرسانی کے لوگ سنتے رہیں گے — میری اور تمھاری باتیں سن کر انھوں نے یہ عملہ بھیجا ہے — لیکن تم فکر نہ کرو — [illegible]یں ٹھہرو — میں ان سے بات کرتا ہوں۔"

"ضرور بات کریں، لیکن اگر ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی تو پھر ہم بھی پوری طرح آزاد ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر جیرال صدر دروازے کی طرف چلا گیا۔

"کیا بات ہے — باہر کون ہے؟"

"سر ہم نے ان کی آوازیں سُن لی تھیں — عمارت گھیرے [illegible] گیا ہے — یہ لوگ فرار نہیں ہو سکتے — ہم دروازہ کھول کر اندر آ رہے ہیں۔"

جیرال نے لپک کر دروازہ اندر سے بند کر دیا، پھر دوڑ کر تمام دروازے اندر سے بند کر دیے اور صدر دروازے [illegible] واپس آیا — ادھر دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

"[illegible] کیا سر — دروازہ اندر سے بند کس طرح ہو گیا — کیا

یہ آپ نے بند کیا ہے — آپ خیریت سے تو ہیں؟" ادھر سے
بار بار کہا جا رہا تھا۔

اس نے ان باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور تیز تیز چلتا
اس جگہ پہنچا جہاں انھیں چھوڑ کر گیا تھا — اسے ایک جھٹکا لگا۔
وہاں اب کوئی نہیں تھا — اس کا سر ایک بار پھر گھوم گیا۔
اسے ایک کاغذ پڑا دکھائی دیا — اس پر جلدی میں یہ الفاظ
لکھے گئے تھے :

"انکل جیرال !
اب شاید آپ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکیں — انشارجہ کی
پولیس ہمیں کیوں فرار ہونے دے گی بھلا — اس لیے ہم
اسی راستے سے واپس جا رہے ہیں — جس راستے سے
آئے تھے — اگر آپ کوشش کریں تو وہ راستا تلاش کر
لیں گے ، کیونکہ ہر انسان کو اس کی کوشش کا پھل
ملتا ہے — اب یہ پتا نہیں — کہ صبر کے پھل کی طرح
کوشش کا پھل بھی میٹھا ہوتا ہے یا نہیں — پھر ملیں
گے —

فاروق وغیرہ "

عمارت

ایک زمین دوز ہوٹل کے ایک کمرے کے دروازے پر
دستک ہوئی :
"کون؟" اندر سے کسی نے پوچھا۔
"نمبر ۱۱۹" باہر سے کہا گیا۔
"اپنی شناخت کراؤ"
"اردو کتاب کا تیسرا حصہ"

"ٹھیک ہے — اب ہماری شناخت لے لو — اندھیرے کا
...
اندر سے کہا گیا۔
"ٹھیک ہے"
"ہم دروازہ کھول رہے ہیں"۔
ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔
"خدا کا شکر ہے — آپ سب لوگ یہاں بخیریت نظر آ
رہے ہیں — ورنہ ہم لوگ ڈر رہے تھے کہ آپ لوگ کونسل ہال

سے بچ کر یہاں نہیں آ سکیں گے۔"

"جن لوگوں کے پاس آپ لوگوں جیسے جاں نثار موجود ہوں، ان کے لیے ایسی جگہوں سے نکل کر کیا مشکل ہے بھلا"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ بتائیں — کیا رپورٹ ہے؟"

"ایم برٹن کو آج رات اپنے گھر جاتے ہوئے گرفتار کر لیا جائے گا — ان کے میک اپ میں آپ اسی گاڑی میں سوار ہو جائیں گے — ڈرائیور کی جگہ ہمارا ایک آدمی ہو گا — وہ سڑکوں سے پوری طرح واقف ہے — ایم برٹن اور ڈرائیور کے کاغذات بھی نکال لیے جائیں گے، تاکہ راستے میں کوئی پریشانی نہ ہو — ایم برٹن کی جگہ آپ رات اس کے گھر گزاریں گے — ایم برٹن کی آواز اور انداز و اطوار کی نقل آپ پہلے ہی کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں — لہٰذا ایک رات گزار ہی لیں گے — صبح سویرے آپ کو آپ کی منزل پر پہنچا دیا جائے گا۔"

"لیکن میں کیا کر سکوں گا — وہاں تو پروفیسر داؤد صاحب کی ضرورت ہو گی۔"

"پروفیسر صاحب کو آپ وہاں بلوائیں گے — فرزانہ صاحبہ کی ترکیب کے مطابق آپ کو ایک فون ملے گا — آپ چلا اٹھ

گے — آہا! میرے دوست پروفیسر بگلر — آپ یہیں آ جائیں — ہاں ہاں میں گاڑی بھیج رہا ہوں — لہٰذا آپ گاڑی ہوٹل مون میں بھیجیں گے — وہاں پروفیسر داؤد میک اپ میں موجود ہوں گے، ڈرائیور گاڑی لے کر وہاں جائے گا اور پروفیسر صاحب کو آپ تک پہنچا دے گا — اس طرح ہمارے منصوبے کا ایک حصہ پوری طرح کامیاب ہو جائے گا — دوسری طرف آپ کے باقی ساتھی جیرال کو الجھائے رکھیں گے، کیونکہ اس بات کا انتظام کر لیا گیا ہے کہ جیرال آپ کا سراغ لگاتا ہوا اس زمین دوز ہوٹل تک پہنچ جائے — جب وہ آپ تک پہنچے گا — آپ اسے الجھائیں گے — اس وقت تک جب تک کہ یہ دونوں ساتھی نہیں آ جاتے — پھر ہمارا کام آسان ہو گا۔"

"بہت خوب! اس طرح ہم اپنے ملک کے اسلحے کے ذخیرے کی تباہی کا انتقام لے سکیں گے اور جیرال کو بھی ایک سبق سکھا سکیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لیکن یہ اس قدر آسان نہیں ہو گا — اس لیے کہ جیرال نے ہر جگہ امکانی احتیاطیں کر رکھی ہیں — وہ یہ اندازہ بھی لگا چکا ہے کہ آپ کیا کیا منصوبے لے کر آ سکتے

"خیر ـ دیکھا جائے گا ـ بظاہر تو ہمارے منصوبے میں کوئی رکاوٹ پڑتی نظر نہیں آتی۔"

"پروفیسر ایم برٹن کے دوست کی آمد اسے ضرور چونکا دے گی۔" ایک نے کہا۔

"لیکن کیسے؟"

"تمام اہم جگہوں کے فون ٹیپ کیے جا رہے ہیں۔"

"اوہ!" وہ چونک اٹھے۔

پھر ہر کوئی سوچ میں ڈوب گیا ـ آخر شوکی نے کہا:

"یہ واقعی ہمارا کمزور پہلو ہے۔"

"فرزانہ ـ فرحت اور رفعت اس پہلو کی کمزوری دور کرنے کی کوئی ترکیب سوچ سکتی ہیں۔"

"ہم کوشش ضرور کر سکتی ہیں۔"

"تو پھر شروع کر دو کوشش ـ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، کہیں کسی کو کوئی شک نہ ہو جائے۔" انسپکٹر جمشید نے ان دو آدمیوں سے کہا جو یہ اطلاعات لے کر آئے تھے ـ یہ انشاد جہ میں ان کی خفیہ فورس کے آدمی تھے ـ

وہ اسی وقت وہاں سے چلے گئے ـ ادھر وہ تینوں تو سوچ میں ڈوبی ہی تھیں، باقی لوگ بھی سوچنے لگے ـ پھر فرحت کی آواز ابھری:

"میرے ذہن میں اس پہلو کی کمزوری دور کرنے کی ایک ترکیب آئی ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"جب صبح پروفیسر صاحب کو ان کے دفتر کی طرف لے جایا جائے تو راستے میں انکل کی جگہ پروفیسر انکل لے لیں ـ انھیں بھی آج رات ایم برٹن بنا دیا جائے۔"

"لیکن اس طرح تو صرف پروفیسر صاحب وہاں پہنچ سکیں گے اور اکیلے یہ گھبرائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اعتراض کیا، پھر بولے: "وہاں انسپکٹر جمشید کا ان کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔"

"تب پھر اس پہلو کی کمزوری کیسے دور کی جائے؟"

"میں کچھ عرض کروں؟" ایسے میں رفعت کی آواز سنائی دی۔

"ضرور کیوں نہیں ـ جلدی کہو۔"

"وہاں فون نہ کیا جائے ـ پروفیسر انکل میک اَپ میں اس جگہ خود پہنچ جائیں ـ ایک ٹیکسی میں ـ ٹیکسی ڈرائیور بھی خفیہ فورس کا ہو گا ـ تاکہ ضرورت پڑنے پر انکل کی مدد کر سکے ـ یہ وہاں جا کر پروفیسر صاحب کو پیغام بھیجیں ـ کہ ان کے دوست آئے ہیں؛ چنانچہ یہ انھیں اندر بلا لیں گے۔"

"لیکن اس طرح بھی باہر کھڑے نگرانوں کے کان ضرور

کھڑے ہوں گے ۔ کیونکہ اس سے پہلے تو پروفیسر صاحب کا
کوئی دوست وہاں آیا نہ گیا۔"

"اس میں شک نہیں کہ رفعت کی ترکیب لاجواب ہے
اور پہلی ترکیب کے مقابلے میں زیادہ قابلِ عمل ہے ۔ لیکن
اس بات کا زبردست امکان ہے کہ باہر کھڑے نگران جیرال
کو خبر کر دیں گے کہ پروفیسر ایم برٹن سے ان کا کوئی دوست
ملنے آیا ہے۔"

"تب پھر کیا کیا جائے؟"

"رفعت کی ترکیب پر عمل کیا جائے، لیکن ہمیں اگلے قدم
کے بارے میں پہلے سے سوچ لینا چاہیے ۔ یعنی اگر وہاں
جیرال کو بلا لیا گیا تو؟" فرزانہ بولی۔

"اس صورت میں انسپکٹر جمشید میدان میں آ جائیں گے ۔
پروفیسر صاحب کو اپنا کام کرنے کا موقع دیں گے ۔ دوسرے
یہ کہ ہم بھی ان سے دور نہیں ہوں گے ۔ وقت پڑنے پر
میدان میں کود جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ۔ تو پھر اللہ کا نام لیں اور ابا جان آپ
اپنے ماتحتوں کو کیس کی اس تبدیلی سے آگاہ کر دیں۔"

انسپکٹر جمشید نے باہر جا کر خفیہ الفاظ میں فون کیا اور
واپس آ گئے ۔ اب انسپکٹر جمشید کے چہرے پر انسپکٹر کامران

مرزا نے ایم برٹن کا میک اپ شروع کیا ۔ وہ سب بیٹھے
دیکھتے رہے ۔ آخر چار گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد
انھیں ایم برٹن بیٹھا نظر آنے لگا ۔

اور پھر پروگرام کے مطابق وہ اس جگہ پہنچ گئے، جہاں
ایم برٹن کی گاڑی کو روکا جانا تھا ۔ ایم برٹن چونکہ شہر سے
باہر رہتا تھا ۔ اس لیے یہ جگہ قدرے سنسان تھی ۔ اور چند
منٹ کے لیے انھیں موقع مل سکتا تھا ؛ تاہم اس بات کا
امکان موجود تھا کہ جونہی وہ اپنا کام کریں ۔ ادھر سے یا
ادھر سے کوئی گاڑی آ جائے ۔ اور اس خطرے سے نمٹنے کے
لیے ان کے باقی ساتھی بالکل تیار تھے ۔

اللہ اللہ کر کے پروفیسر ایم برٹن کی گاڑی دکھائی دی ۔

"تیار!" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"آپ فکر نہ کریں سر ۔ سارا کام ہم خود کریں گے ۔
آپ سب لوگ درختوں کی اوٹ میں رہیں گے۔" خفیہ فورس کے
انچارج نے کہا۔

اسی وقت پروفیسر کی گاڑی نزدیک آ گئی ۔ ایک بے آواز
فائر ہوا اور ٹائر پنکچر ہونے کی آواز گونجی ۔ ساتھ ہی پروفیسر
ایم برٹن کی جھلائی ہوئی آواز گونجی :

"حد ہو گئی ۔ ٹائر پنکچر ہو گیا ۔ بالکل نیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں سر— میں ابھی تین منٹ میں ٹائر تبدیل کیے دیتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ڈرائیور نیچے اتر گیا— ساتھ ہی اس کے سر پر کوئی چیز لگی— وہ تیورا کر گرا—

"ارے ارے— کیا ہوا بھئی؟" ایم برٹن کے منہ سے نکلا۔

"دائیں طرف سے ایک گاڑی آ رہی ہے۔" رفعت نے باقی لوگوں کو ہوشیار کیا۔

"کوئی بات نہیں— ہم اوٹ میں رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے

"لیکن اتنی دیر میں آپ پروفیسر کی جگہ تو لے سکتے ہیں۔"

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

یہ کہتے ہی وہ بلا کی رفتار سے حرکت میں آ گئے— کار کا پچھلا دروازہ کھولا— ایم برٹن کی نظر جونہی ان کے چہرے پر پڑی— وہ دھک سے رہ گیا، لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے سر پر انسپکٹر جمشید کا ایک ہاتھ لگا اور وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو گیا— انسپکٹر کامران مرزا پہلے ہی تیار تھے— انھوں نے فوراً اسے گھسیٹ لیا— اب انسپکٹر جمشید دوسرے دروازے سے باہر نکلے اور ڈرائیور پر جھک گئے— عین اس وقت سامنے سے آنے والی کار نزدیک آ کر رک گئی—

"کیا بات ہے جناب— ارے یہ تو پروفیسر برٹن ہیں— کیا

ہوا سر؟"

"ٹائر پنکچر ہو گیا ہے— ڈرائیور نیچے اتر رہا تھا کہ پتا نہیں، اسے کیا ہو گیا— شاید چکر آ گیا ہے— لگتا ہے، بے ہوش ہو گیا ہے۔"

"کیا ہم مدد کر سکتے ہیں؟"

"ہاں! پنکچر لگانے میں میری مدد کر دیں— گاڑی تو میں بھی چلا لوں گا— اسے پچھلی سیٹ پر لٹا دیتے ہیں— گھر جا کر ڈاکٹر کو فون کر دوں گا۔"

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے— ہم ضرور پنکچر لگانے میں مدد کریں گے۔"

اور پھر پنکچر لگا یا گیا— ڈرائیور کو پہلے ہی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا گیا تھا—

"بہت بہت شکریہ۔" پروفیسر نے کار والوں سے کہا۔

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے— بائی بائی۔"

کار والے ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گئے— اب انسپکٹر جمشید اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے— جونہی وہ کار نظروں سے اوجھل ہوئی— ڈرائیور کو گھسیٹ لیا گیا— اور اس کی جگہ پچھلی سیٹ پر اس کے میک اپ میں خفیہ فورس کا آدمی لیٹ گیا— بے ہوش بن کر:

"خدا حافظ۔" انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا اور آگے بڑھ گئے—

تھوڑی دیر بعد وہ بھی پروفیسر ایم برٹن کی کوٹھی کا [illegible]
کر رہے تھے — تمام رات کوئی گڑبڑ نہ ہوئی — صبح اپنے وقت
پر پروفیسر ایم برٹن کی کار کوٹھی سے نکلی اور روانہ ہوئی — ڈرائیور
گاڑی چلا رہا تھا — اس کے سر پر پٹی بندھی تھی —

"تمھارے سر پر کل چوٹ لگ گئی تھی —— سر میں شدید درد
ہے —— لہٰذا تم بات چیت کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہو —
اپنے کیبن میں جا کر لیٹ جانا — کوئی بات کرنا چاہے تو
سر میں شدید درد کا اشارہ کر کے خاموش رہنا۔"

"لیکن سر میں ڈرائیور کے لہجے میں بات کر سکتا ہوں —
میں نے اس سے کئی بار ملاقات کی ہے —— مختلف میک اپ
میں۔" اس نے کہا۔

"اس کے باوجود احتیاط بہتر ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

"کوئی خطرہ ہوا تو تمھاری جیب میں موجود چیونگم آواز دینے
لگے گا — پروفیسر صاحب کا تیار کردہ چیونگم بہت کام کی چیز
ہے — اگر کوئی دشمن تلاشی لے — اور چیونگم چبا ڈالے تو
وہ سو فیصد چیونگم ثابت ہوگا۔" انھوں نے اسے بتایا۔

"ٹھیک ہے سر — آپ فکر نہ کریں — ہر کام پروگرام کے
عین مطابق ہوگا۔"

"میری خواہش ہے — جیرال کو ہمارے پروگرام کی بالکل خبر
نہ ہو — جس طرح ہمیں اس کے پروگرام کی خبر نہ ہو سکی۔"

"ہم سب کی کوشش تو یہی ہے سر — باقی جو اللہ کو
منظور — اور میں کہتا ہوں — اگر اسے خبر ہو جاتی ہے —
اور وہ ہمارے راستے میں آ جاتا ہے — اس کے باوجود ہم
کامیاب ہو جاتے ہیں تو گویا اس کی نسبت بڑی کامیابی ہم حاصل
نہیں کریں گے سر۔"

"بہت خوب نمبرا — مان گیا میں تمھیں — تمھاری اس بات
میں بہت وزن ہے — میرا خیال ہے — ہم بس پہنچنے والے
ہیں۔"

ان کی نظریں دور سے نظر آنے والی عمارت پر جم گئیں —

KHAN STATIONERS &
GENERAL STORE
Shop F/890, Bhabra Bazar,
Nishtar Road, Rawalpindi.

چند سیکنڈ کا فرق

"ابّا جان کے پہنچنے میں صرف دس منٹ باقی ہیں — پروگرام کے مطابق ایک منٹ بعد ہمیں نکل جانا چاہیے۔" محمود نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے — تم لوگ ابھی یہیں ٹھہرو — میں ہوٹل سے باہر جا کر ایک نظر اِدھر اُدھر ڈال لوں، تاکہ اطمینان ہو جائے۔"

"بہت بہتر انکل۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

پھر جونہی انسپکٹر کامران مرزا کمرے سے نکلے — فرزانہ جھلا کر بولی:

"تم انکل سے بڑے کب سے بن گئے — کیا انھیں نہیں معلوم تھا کہ دس منٹ رہ گئے ہیں اور اب ہمیں حرکت میں آنا ہے۔"

"معلوم تھا — لیکن میری نظر ان کی گھڑی پر پڑ گئی تھی۔" محمود مسکرایا۔

"تب پھر — اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"اس سے یہ ہوتا ہے کہ ان کی گھڑی چند سیکنڈ پیچھے نظر آئی تھی مجھے — میں نے سوچا، اس طرح پروگرام میں چند سیکنڈ کا فرق پڑ جائے گا اور اس قسم کے پروگراموں میں چند سیکنڈ کا فرق بھی حد درجے خطرناک ہوتا ہے — کیوں بھئی آصف — تمھارا کیا خیال ہے؟"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" آصف بولا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ کہ انکل کی گھڑی چند سیکنڈ پیچھے ہو، جبکہ ہم سب نے اس پروگرام کو شروع کرتے وقت اپنی گھڑیاں آپس میں ملا لی تھیں۔"

"اوہ ہاں واقعی — یہ بات تو چونکا دینے والی ہے — آخر یہ کیسے ممکن ہے — کہ گھڑی چند سیکنڈ پیچھے ہو جائے — ہماری گھڑیاں کوئی معمولی گھڑیاں تو ہیں نہیں۔"

اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا آتے دکھائی دیے — ان کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے....

"خیر تو ہے انکل؟"

"معلوم ہوتا ہے — اس زمین دوز ہوٹل میں ہماری موجودگی کی سن گن جیرال کو ہو گئی ہے۔"

"یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"ایسے کہ باہر ملٹری نظر آ رہی ہے۔"

"تب پھر کیا کرنا چاہیے؟"

"باہر صرف خان رحمان جائیں گے، آخر یہ ایک فوجی

"لیکن اگر فوجیوں نے مجھے روک لیا تو میں کیا کہوں گا" خان رحمان نے کہا۔

"یہ کہ تم شارجستان کے رہنے والے ہو — اور انشار سیر کرنے کے لیے آئے ہو — پھر وہ تم سے کاغذات طلب کریں گے — اگر کاغذات چیک کرنے کے بعد انھوں نے تمھیں جانے دیا تو پھر ہم بھی آ جائیں گے۔"

"لیکن اس طرح وقت کی پابندی کیسے رہ جائے گی۔" خان رحمان نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"وہ میں یہاں سے نکلنے کے بعد کر لوں گا۔"

"اچھی بات ہے — آپ لوگ ایسی جگہ پہنچ جائیں — جہاں سے مجھے دیکھ سکیں۔" خان رحمان بولے۔

"بالکل ٹھیک — آؤ بھئی چلیں۔"

وہ ہوٹل میں ایسی جگہ آ گئے — جہاں سے باہر ہونے والی کارروائی کو دیکھ سکتے تھے — خان رحمان اس وقت تک ہوٹل سے باہر جا چکے تھے — وہ ٹہلنے کے انداز میں چلے جا رہے تھے — ایسے میں ادھر محمود نے کہا:

"انکل! ایک عجیب بات اور — آپ کی گھڑی چند سیکنڈ پیچھے ہے۔"

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" انھوں نے خوف زدہ آواز میں کہا، پھر فوراً اپنی گھڑی کی طرف دیکھا — باقی سب کی گھڑیوں کی طرف دیکھا — اور ان کا رنگ زرد پڑ گیا:

"افسوس! یہ بات تم نے خان رحمان کے جانے سے پہلے کیوں نہ بتائی۔"

"کیوں انکل — اس سے کیا فرق پڑ گیا؟"

"بہت فرق پڑ گیا — ہوٹل میں جیرال کا کوئی کارندہ موجود ہے — یہ کام اس نے اس وقت دکھایا ہوگا، جب میں نے گھڑی اتار کر تپائی پر رکھی ہوئی تھی۔"

"اوہ! لیکن اس بات سے انکل خان رحمان کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

"وہ — وہ تو اس وقت تک..."

ان کی نظریں باہر جم گئیں — خان رحمان کو ایک گاڑی میں بٹھایا جا چکا تھا، پھر بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں — انھیں اپنے چاروں طرف ملٹری والے نظر آنے لگے — ان کی رائفلوں کے رخ ان کی طرف تھے —

"ان کی گنتی کرو۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

انھیں گنا گیا:

"ایک کم ہے سر"

"ایک کہاں ہے؟"

وہ خوش ہو گئے ۔۔ اس کا مطلب تھا، کم از کم انھیں انسپکٹر جمشید کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، لیکن ساتھ ہی یہ سوچ کر ان کے دل بیٹھ گئے کہ پروفیسر داؤد اب ان تک کیسے پہنچ سکیں گے ۔۔ انسپکٹر کامران مرزا کا ذہن اس وقت بہت تیزی سے کام کر رہا تھا ۔۔ وہ چاہتے تھے ۔۔ کسی طرح پروفیسر داؤد انسپکٹر جمشید تک پہنچ جائیں ۔۔

"بولو ۔۔ تمھارا ساتھی کہاں ہے؟"

"یہ بات تم ہم سے معلوم نہیں کر سکو گے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

اچانک ایک ہلکا سا دھماکا ہوا ۔۔ کمرہ دھوئیں سے بھر گیا ۔۔ ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا نے پروفیسر داؤد کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی طرف چلے ۔۔ وہ سیدھے ہال میں آئے ہال میں انھوں نے پچھلے دروازے کا رُخ کیا ۔۔ اس طرف ملٹری والے نہیں تھے ۔۔ شاید اس لیے کہ اس طرف کے دروازے کو بند کر دیا گیا تھا ۔۔ لیکن اس کا معائنہ وہ پہلے ہی کر چکے تھے اور ایمرجنسی کی صورت میں اس راستے

پہلے ہی تاڑ چکے تھے اور دروازہ کھول کر دیکھ چکے تھے ۔۔ لہٰذا اس وقت انھیں ذرا بھی دقت نہ ہوئی ۔۔ جلد ہی وہ ہوٹل کے پچھلی طرف سڑک پر تھے ۔۔ انسپکٹر کامران مرزا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ۔۔ ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کر دیا، ٹیکسی میں بیٹھتے ہی وہ بولے:

"برٹن روڈ۔"

"او کے۔" ڈرائیور نے کہا، پھر اس کے ہونٹ ہلے ۔۔ ہونٹوں کی حرکت کو دیکھ کر وہ چونکے، اس کی طرف دیکھ کر انھوں نے کہا:

"مسلمان لگتے ہیں؟"

"آپ نے کیسے جانا؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کے ہونٹوں کی حرکت سے ۔۔ گاڑی شارٹ کرتے وقت اللہ کہا ہے آپ نے۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ ہاں بالکل ٹھیک۔" اس نے کہا۔

"یہ خوشی کی بات ہے میرے لیے ۔۔ میں چاہتا ہوں ۔۔ آپ اور تیز چلیں ۔۔ بلکہ بہت تیز۔"

"چکر کیا ہے؟"

"اشارجیہ نے ہمارے ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے ۔۔ آپ نے اسلحے کے ڈپو میں آگ لگنے کا واقعہ اخبارات میں پڑھا

ہو گا؟"

"ہاں بالکل — تو پھر؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم اس ملک کو اس سے بھی بڑا نقصان پہنچانے کی نیت سے آئے ہیں۔"

"کیا!!!" اس کے ہاتھ پیر پھول گئے — گاڑی سڑک پر اِدھر اُدھر لہرانے لگی — انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے — پروفیسر داؤد کا تو رنگ اُڑ گیا۔

"یہ آپ کو کیا ہو گیا؟"

"میں بھی آپ کے ساتھ خطرے میں گھر گیا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں — آپ مسلمان ہیں — اور مسلمان کو اللہ پر بھروسا رکھنا چاہیے — اگر آپ زیادہ گھبراہٹ محسوس کر رہے ہیں تو گاڑی روک لیں، ہم اُتر جاتے ہیں — اس طرح آپ خطرے میں نہیں رہیں گے۔"

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے فوراً گاڑی سڑک کے کنارے کر لی اور بولا:

"جلدی سے اُتر جائیں۔"

وہ نیچے اُتر آئے — اس نے گاڑی فوراً آگے بڑھا دی:

"ارے ارے — یہاں تک کا کرایہ تو لے لیں۔"

لیکن وہ کہاں رُکنے والا تھا:

"عجیب بزدل نکلا — اس سے تو بہتر تھا — ہم اس سے بات نہ کرتے۔"

"اب ہم کسی ڈرائیور سے کوئی بات نہیں کریں گے — اس وقت تک ہمیں اپنی منزل پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

ایسے میں ایک ٹیکسی آتی نظر آئی — انسپکٹر کامران مرزا نے اسے رکنے کا اشارہ کیا، لیکن وہ آگے بڑھ گئی — تین چار ٹیکسیاں گزر گئیں — ان کی پریشانی بڑھ گئی — آخر خدا خدا کر کے انھیں ایک ٹیکسی مل گئی — وہ اس کے ذریعے برٹن روڈ پہنچے — وہ کافی لیٹ ہو چکے تھے — ابھی انھیں پیدل بھی چلنا تھا —

"اندر انسپکٹر جمشید بہت پریشان ہوں گے — آپ فوراً جائیں اور ملاقات کی خواہش ظاہر کریں — میں آس پاس رہوں گا — ہمارے ساتھی تو اس وقت تک جیرال کے سامنے پہنچا دیے گئے ہوں گے۔"

"تب پھر، ان کے لیے اب کیا کیا جائے؟"

"وہ آپ فکر نہ کریں — آپ صرف اپنا کام کریں۔"

"اچھا خدا حافظ۔" وہ بولے اور آگے بڑھ گئے۔

"خدا حافظ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھتے چلے گئے —

پروفیسر داؤد عمارت کی چار دیواری والے دروازے پر پہنچے ۔ دروازے پر ملٹری کا پہرہ تھا :

" میں پروفیسر ایم برٹن کا دوست ہوں ۔ مجھے ان سے ملنا ہے ۔"

" آپ ان سے گھر ملاقات کر سکتے ہیں ، یہاں نہیں ۔"

" میں جانتا ہوں ۔ لیکن مجھے آج اچانک اپنے وطن جانا پڑ گیا ہے ۔ پروفیسر صاحب کو مجھ سے کچھ کام تھا ۔ انھوں نے ملنے کی ہدایت کی تھی ۔ آج شام گھر پر ہماری ملاقات ہونا تھی ۔"

" لیکن آپ یہاں تک آئے کیسے ؟"

" ایک ٹیکسی کے ذریعے ۔ ڈرائیور نے بتایا کہ ان اطراف میں کسی ٹیکسی کو آنے کی اجازت نہیں ۔ لہٰذا وہ کچھ فاصلے پر اتار کر چلا گیا ۔" پروفیسر داؤد کو یہی جملے بتائے گئے تھے ، لہٰذا انھوں نے روانی سے بول دیے ۔

" ہاں ! اس نے ٹھیک کہا تھا ۔ ہم پروفیسر صاحب سے پوچھتے ہیں ۔"

پھر چند منٹ بعد ان سے کہا گیا :

" آپ کو پروفیسر صاحب نے اندر بلایا ہے ۔ لیکن ایسا یہاں کی تاریخ میں پہلی بار ہو رہا ہے ۔"

" کیا مطلب ؟"

" کسی ملاقاتی کو یہاں ان سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں اور یہ پابندی خود پروفیسر صاحب نے عاید کر رکھی ہے ۔"

" میں نے بتایا نا ۔ میں ان کا دوست ہوں ۔ بچپن کا دوست ۔" انھوں نے کہا ۔ دل میں وہ خوش ہو رہے تھے ۔

چار دیواری کے اندر ایک گھنا باغ تھا ۔ اس باغ کے درمیان میں سفید رنگ کی بہت بڑی عمارت تھی ۔ اب وہ اس عمارت کے دروازے پر پہنچے ، پھر وہاں سے ایک نگران انھیں لے کر چلا ۔ اندر انھیں عمارت میں کئی برآمدے طے کرنا پڑے ۔ پھر لفٹ کے ذریعے اوپر والی منزل پر پہنچے ۔ آخر ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی :

" کیا یہ میرے بچپن کے دوست ہیں ؟"

" ہاں بالکل !" وہ فوراً بولے ۔

" انھیں آنے دیا جائے ۔"

دروازہ خود بخود کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے ۔ انھیں ساتھ لانے والا آدمی واپس چلا گیا ۔ ان کے اندر داخل ہونے پر دروازہ خود بخود بند ہو گیا ۔

اندر انسپکٹر جمشید کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار تھے ۔ انھوں نے مقامی زبان میں چند اِدھر اُدھر کی باتیں

کیں، پھر اس ملاقات کے سلسلے میں باتیں کیں۔ اس دوران وہ کاغذ پر لکھ رہے تھے:

"پروفیسر صاحب۔ جلدی بتائیں۔ کیا ہوا۔ آپ وقت پر کیوں نہیں پہنچ سکے؟"

پروفیسر داؤد نے جلدی جلدی مختصر طور پر حالات لکھ دیے۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انھوں نے لکھا:

"تب ہم بہت بڑے خطرے میں ہیں۔ آپ اپنا کام کتنی دیر میں کر سکتے ہیں؟"

"تین گھنٹے ضرور لگیں گے۔"

"جب کہ صرف آدھ گھنٹے بعد جیرال یہاں ہوگا۔ اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔" انھوں نے لکھا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہم اس عمارت میں غائب ہو جائیں۔ اور اپنا کام شروع کر دیں۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ان کے دل بہت زور سے دھڑکے۔

جیرال زندہ ہے

وہ سب جیرال کے سامنے حاضر تھے۔ انھیں ایک قطار میں کھڑا کیا گیا تھا۔ جیرال انھیں گن چکا تھا، دیکھ چکا تھا، لہٰذا اس نے طنزیہ انداز میں کہا:

"انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور پروفیسر داؤد تم لوگوں میں نہیں ہیں۔ جلد بتا دو۔ وہ کہاں ہیں؟"

"افسوس! ہم ان کے بارے میں نہیں بتائیں گے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"کیسے نہیں بتاؤ گے۔ مجھے زبان کھلوانا آتا ہے۔ ہم۔ مگر نہیں۔ اس طرح وقت ضائع ہو گا۔ اور میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ جیکب۔ ایم برٹن کو فون کرو۔ جلدی۔" جیرال نے پاس کھڑے ماتحت سے کہا۔

"او کے سر۔" اس نے فوراً کہا۔

فوراً ہی ایم برٹن کے نمبر ملائے گئے اور دوسری طرف سے

ایم برٹن کی آواز سن کر جیکب نے فون کا ریسیور جیرال کی طرف
بڑھا دیا:

"ہیلو پروفیسر صاحب — جیرال بات کر رہا ہوں — یہاں
سب خیریت تو ہے؟"

"ہاں مسٹر جیرال — بالکل" ایم برٹن کی آواز سنائی دی۔

"شکریہ پروفیسر صاحب — بس یہی معلوم کرنا تھا" یہ کہہ کر
جیرال نے ریسیور رکھ دیا۔

اب اس نے ان سب کو بغور دیکھا، پھر سرسراتی آواز
میں کہا:

"تو پروفیسر ایم برٹن کی جگہ وہاں انسپکٹر جمشید موجود ہیں۔
اور غالباً پروفیسر داؤد ان کے دوست کے روپ میں ان کے
ساتھ وہاں موجود ہیں — ڈرائیور کی جگہ انسپکٹر کامران مرزا
نے لی ہو گی۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں — کچھ کہہ نہیں سکتے۔" آصف نے
گول مول انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے — ان لوگوں کی کڑی نگرانی کرو جیکب۔
اگر یہ فرار ہو گئے تو پھر تمہاری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
جیرال نے سرد آواز میں کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"نن — نہیں — سر" جیکب نے کانپ کر کہا۔

لیکن جیرال اس کا نہیں سننے کے لیے وہاں کب رکا تھا،
وہ تو آندھی اور طوفان کی طرح باہر دوڑا جا رہا تھا — باہر
اس کی کار بالکل تیار تھی — اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی
اور بجلی کی سی تیزی سے کار چلاتا اس عمارت تک پہنچ گیا۔
اسے دیکھ کر باہر کھڑے ملٹری مین چونک کر سیدھے ہو گئے:

"پروفیسر ایم برٹن اندر ہیں؟"

"یس سر"

"ان کے ساتھ کون آیا تھا؟"

"وہ تو اکیلے آئے تھے — ہر روز کی طرح — لیکن ان کے
ایک دوست ملنے آئے ہوئے ہیں۔"

"یہاں کوئی دوست ملنے نہیں آ سکتا — کیا تم لوگوں کو
معلوم نہیں؟"

"معلوم ہے، لیکن خود پروفیسر صاحب نے انھیں اندر
پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔"

"اوہ اچھا — مجھے ان تک پہنچا دو — جلدی۔"

"آئیے سر۔"

وہ اندرونی دروازے کی طرف مڑے ہی تھے کہ جیرال
کے سر سے کوئی چیز ٹکرائی — اس کا سر بہت زور سے
چکرایا — اسے سر پکڑ کر بیٹھ جانا پڑا — چند سیکنڈ

تک وہ اس حالت میں بیٹھا رہا — پھر اس نے اُٹھنے کی کوشش کی — وُہ تھوڑا اُٹھا، لیکن پھر بیٹھ گیا — اس کا سر بہت زور سے چکرایا تھا — آخر اس نے مشکل سے کہا:

"ڈ ڈ — ڈاکٹر کو بُلاؤ — جلدی۔"

پھر وُہ زمین پر لیٹ گیا —

"ارے ارے سر — آپ کو کیا ہو گیا؟"

پھر اسے اُٹھا کر چہار دیواری کے دروازے پر بنے کیبن میں لٹا دیا گیا — ڈاکٹر کو فون کیا گیا — ڈاکٹر اندر عمارت میں موجود تھا — لہٰذا اس کے آنے میں خاص دیر نہ لگی — اس نے آکر جیرال کا معائنہ کیا — وہ نیم بے ہوش تھا — ڈاکٹر نے اسے ایک انجکشن دیا — وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا:

"لیٹے رہیے سر — ابھی آپ کوئی کام نہ کریں۔"

"ہٹو — مجھے نہ روکو — ورنہ سب تباہ ہو جائے گا۔"

"سب تباہ ہو جائے گا — کیا تباہ ہو جائے گا؟"

جیرال نے اسے زور کا دھکا دیا، وہ کیبن سے باہر دُور جا گرا — جیرال کیبن سے نکلا اور اندر کی طرف دوڑا ہی تھا کہ پھر اس کے سر سے کوئی چیز آ کر ٹکرائی —

وُہ ایک بار پھر گرا — اور مکمل طور پر بے ہوش ہو گیا:

"ڈاکٹر — انھیں کیا ہو گیا — جلدی کریں — نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔"

"وہ ہاں — ابھی لیجیے۔"

ڈاکٹر نے پھر اسے ایک انجکشن دیا، لیکن اس بار اس نے ذرا آنکھیں نہ کھولیں اور بدستور بے ہوش رہا:

"اُف — اب ہم کیا کریں — کیا کرنل صاحب کو فون کریں؟" نگران نے کہا۔

"نہیں — میں پروفیسر صاحب کو بُلا کر لاتا ہوں — وہ اس صورت حال کو سنبھال لیں گے۔" ایک نگران نے کہا اور اندر کی طرف دوڑ لگا دی —

○

ریسیور رکھ کر انسپکٹر جمشید اُن کی طرف مُڑے:

"خطرہ سر پر آ پہنچا — جیرال کا فون تھا — اسے اندازہ ہو گیا ہے کہ ہم یہاں آ گئے ہیں — لہٰذا اب فوراً حرکت میں آنے کا وقت ہے۔"

"ٹھیک ہے — میں تیار ہوں۔"

"میں پہلے نمبرا کو بلا لوں" یہ کہہ کر انھوں نے آ

ذریعے نمبرا کو خبردار کیا ۔ وہ فوراً پہنچ گیا:

"کیا بات ہے سر؟"

"خطرہ ۔ جیرال آ رہا ہے ۔ تم پروفیسر صاحب کو

کر اندر چلے جاؤ ۔ یہ جلد از جلد اپنا کام کر کے باہر

کی کوشش کریں ۔ سمجھ گئے؟"

"یس سر ۔ اور آپ؟"

"میں جیرال کو روکنے کے لیے یہاں موجود رہوں گا،

کیونکہ جتنی دیر میں اسے روک سکوں ۔ اتنا ہی اچھا ہے"

"تو کیا کام ہو جانے پر میں صرف انھیں لے

نکل جاؤں؟"

"ہاں! تم میری فکر نہ کرو ۔ میں آ جاؤں گا۔"

"او کے سر۔"

وہ فوراً کمرے سے نکل گئے ۔ انسپکٹر جمشید دھک د

کرتے دل کے ساتھ انھیں جاتے دیکھتے رہے ۔

جب وہ اندرونی حصے میں پہنچتے نظر آ گئے تو انھوں

کمرے کا دروازہ بند کر لیا ۔ ابھی چند منٹ ہی گز

ہوں گے کہ دروازے پر دستک ہوئی:

"کون؟"

"یہ ۔ یہ میں ہوں سر ۔ بیرونی دروازے کا ایک نگران۔

جیرال صاحب آئے تھے ۔ وہ آپ سے فوری ملنا چاہتے تھے

لیکن وہ اچانک گر کر بے ہوش ہو گئے ۔ ڈاکٹر نے انھیں

انجکشن دیا، وہ ہوش میں آئے، اٹھ کر چلنے لگے تو

پھر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔"

ان کا ذہن فوری طور پر انسپکٹر کامران مرزا کی طرف

گیا ۔ اس کا مطلب تھا، یہ کام انھوں نے دکھایا تھا، وہ

مسکرائے اور دروازہ کھول دیا:

"تو انھیں اٹھا کر یہاں لے آؤ ۔ میرے پاس آلات

وغیرہ یہاں ہیں ۔ میں انھیں دیکھ لوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" نگران نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

وہ انتظار کرنے لگے ۔ ساتھ ہی ان کی نظریں گھڑی پر

بھی جمی تھیں ۔ پروفیسر داؤد کو کچھ وقت درکار تھا ۔ جیرال اگر

یہاں نہ آ جاتا تو یہ وقت آسانی سے انھیں مل جاتا ۔ لیکن

اب جب کہ جیرال یہاں آ گیا تھا تو یہ وقت بہت مختصر کر

پڑ گیا تھا ۔ یہ تو غنیمت تھا کہ جیرال کو انسپکٹر کامران

مرزا نے بے ہوش کر دیا تھا ۔ لیکن کب تک ۔ اس کے

جلد ہوش میں آنے کا امکان تھا ۔ ادھر وہ چھوٹی پارٹی

کے بارے میں فکر مند تھے ۔

تین منٹ بعد دروازے پر پھر دستک ہوئی ۔۔ انھوں نے
دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھول دیا ۔۔ چار آدمی جیرال کو
اٹھائے اندر داخل ہوئے:

"یہاں لٹا دو۔" وہ بولے۔

انھوں نے اسے لٹا دیا:

"بس! اب تم جاؤ ۔۔ میں دیکھ لوں گا۔"

"او کے سر۔" وہ بولے اور چلے گئے۔

انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر کے تالا لگا دیا۔
اور چابی کو اندرونی جیب میں ڈال لیا ۔۔ اب انھوں نے جیرال
کی نبض وغیرہ چیک کی ۔۔ ایسے میں اس کے جسم میں حرکت
پیدا ہوئی ۔۔ انھوں نے جیب سے ریشم کی ڈوری نکال کر
اس کے پاؤں جکڑ دیے اور ہاتھ بستر سے باندھ دیے۔
اسی وقت اس نے آنکھیں کھول دیں۔

انسپکٹر جمشید اس وقت رسیاں کس رہے تھے، انھوں نے
رسی کے مزید بل دینا شروع کر دیے، تاکہ رسیاں ٹوٹ
جانے کا امکان نہ رہے ۔۔ یہ رسی بھی پروفیسر داؤد کی
بنائی ہوئی تھی ۔۔ اور اس کا توڑ ڈالنا آسان کام نہ تھا۔

"بہت خوب جمشید ۔۔ یہ کام کیا ہے تم نے۔"

"یہ کمرہ ہر طرح سے ساؤنڈ پروف ہے ۔۔ اور اس

میں ہونے والی گفتگو کوئی اور کسی بھی صورت نہیں سن سکتا۔"
انسپکٹر جمشید نے گویا اسے اطلاع دی۔

"ہاں! میں یہ بات جانتا ہوں ۔۔ لیکن میں بے ہوش
کس طرح ہو گیا تھا؟"

"ہو سکتا ہے ۔۔ یہ کام میرے کسی ساتھی نے دکھایا ہو۔"

"مطلب یہ کہ باہر بھی کوئی ساتھی موجود ہے اور وہ ضرور
انسپکٹر کامران مرزا ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے ۔۔ آپ کا خیال درست ہو۔" وہ مسکرائے۔

"صورتِ حال کیا ہے؟"

"یہ کہ آپ اس وقت اس بستر کے ساتھ رسیوں سے بندھے
پڑے ہیں۔"

"ان رسیوں کی کیا حقیقت ہے ۔۔ یہ ابھی توڑ دیتا ہوں۔"

"ضرور ضرور۔" وہ بولے۔

جیرال نے زور لگایا ۔۔ لیکن رسی نہ ٹوٹی ۔۔ اور زور لگایا،
یہاں تک کہ پورا زور لگایا، لیکن رسی اپنی جگہ رہی ۔۔ آخر اس
نے زور لگانا بند کیا اور بولا:

"پروفیسر داؤد کہاں ہیں؟"

"وہ یہاں ہیں ۔۔ اور اپنا کام کر رہے ہیں۔"

"اگر پروفیسر صاحب یہاں ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں تو

انھیں روک دیں — انسپکٹر جمشید — انھیں روک دیں — یہ مجبو
آپ سے درخواست ہے — اس کے بدلے میں آپ جو کہیں
گے — انشارجہ کرے گا۔"

"میں صرف اور صرف انشارجہ کے اس ایٹمی پلانٹ کو
تباہ کرنا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔
ان کا چہرہ تن گیا۔

"نہیں — آپ ایسا نہ کریں — یہ پوری دنیا میں سب سے
عظیم نقصان ہوگا۔"

"میں کیوں پروا کروں — کیا آپ نے میرے ملک کے اسلحے
کے ذخیرے کو آگ لگاتے وقت احساس کیا تھا؟"

"وہ انشارجہ کا حکم تھا — میں مجبور تھا۔"

"آپ نے وہ آگ کس طرح لگائی — جلدی جلدی جواب
دیں مسٹر جیرال — آپ کے پاس وقت بہت کم ہے اور ہما
پاس آپ سے بھی کم۔" انھوں نے کہا۔

"عابد جیلانی کی مدد سے — اسے اندر جانے سے کس
نے نہیں روکا تھا — اور ان کے ساتھ ان کا ایک دو
گیا تھا — وہ دوست انشارجہ کا ایک سائنس دان تھا۔
اس نے اندر جا کر یہ کام کیا تھا۔"

"اوہ — اب آپ اپنے اس ایٹمی پلانٹ کے بارے

— اندر پروفیسر داؤد موجود ہیں — اور وہی کام کر
ہیں جو انشارجہ کے آدمی نے کیا تھا۔"
پ کو پتا ہے — اس کا نتیجہ خود آپ کے لیے کس قدر
ک ہوگا — پوری دنیا کے لیے خطرناک ہوگا۔" اس
ڈرا کہا۔
دیکھے؟
بکاری اثرات پوری دنیا کو لے بیٹھیں گے۔"
ری دنیا کو نہیں، صرف انشارجہ کو لے بیٹھیں گے —
سر داؤد نے اس پہلو پر خوب غور کیا تھا۔"
اوہ!" اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی، پھر بولا:
چھا سودا کر لیں۔"
سودا — کیسا سودا؟"
نشارجہ آپ کا نقصان پورا کرے گا — بلکہ جتنا اسلحہ
ہے، اس سے دوگنا دے گا۔"
اور اسلحے کے گودام میں جو ہمارے بھائی شہید ہوئے
جل کا راکھ ہوئے ہیں — ان کا بدلہ کس طرح دیا
کتا ہے۔"
آدمی کے بدلے میں جس قدر خون بہا آپ چاہیں
دلواؤں گا۔"

"نقد نہیں ۔ انشارجہ کے شہری حوالے کرنا ہوں گے ۔ ایک مسلمان کے بدلے میں ایک لاکھ انشارجہ کے غیر مسلم ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کیا بات ہوئی ۔ ایک کے بدلے میں ایک ہوتا ہے۔"

"میرے نزدیک ایک مسلمان کی بہت بڑی قیمت ہے ۔ اتنی کہ کوئی غیر مسلم سوچ بھی نہیں سکتا ۔ اور جنرل آپ بھی بہر حال غیر مسلم ہیں۔"

"کوئی اور شرط پیش کریں۔"

"افسوس ! میرے پاس اور کوئی شرط نہیں ہے ۔ ہماری کامیابی کی صورت میں ہمیں بحفاظت یہاں سے جانے دیا جائے گا ۔ یہ وعدہ آپ پہلے ہی کر چکے ہیں۔"

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔"

"تب ہم یہیں سے سب لوگ رخصت ہوں گے ۔ میرے ساتھیوں کو آپ یہاں منگوا دیں۔"

"کیا مطلب ؟"

"میرے باقی ساتھی کہاں ہیں ؟"

"ہماری قید میں۔"

"میں انھیں یہاں چاہتا ہوں۔"

"اچھا ۔ لیکن سودے کی کیا رہی ؟"

"آپ کا یہ ایٹمی پلانٹ تباہ ہو کر رہے گا ۔ میرا فیصلہ یہی ہے۔"

"ہم آپ کو چار گنا اسلحہ دینے کے لیے تیار ہیں۔"

"آٹھ گنا بھی نہیں ۔ اسلحہ کیا ہوتا ہے ۔ مومن تو بے تیغ بھی لڑ لیتا ہے ۔ اصل چیز مومن ہے ۔ اور اس آگ میں لاکھ مومن بھی جلے ہیں ۔ یہ تباہی اسلحے کے بدلے میں نہیں ۔ ان مومنوں کے بدلے میں ہوگی ۔ اسلحہ تو ہم آپ لوگوں سے حاصل کر ہی لیں گے۔"

"ایسا نہ کریں انسپکٹر جمشید ۔ انشارجہ کہیں کا نہیں رہ جائے گا۔"

"انشارجہ کہیں کا نہ رہ جائے ۔ یہی تو میری خواہش ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اچھی بات ہے انسپکٹر جمشید ۔ آپ نہیں مانتے تو نہ سہی، لیکن اب میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔"

"کیا مطلب ؟"

"اس بات کو چھوڑیں ۔ جب آپ معاہدے کی کوئی بات نہیں کرتے ۔ ہاں اب بتائیں ۔ کیا آپ اپنے باقی ساتھیوں کو یہاں چاہتے ہیں ؟"

"ہاں بالکل۔"

"فون کا ریسیور میرے منہ کے سامنے کریں — اور یہ نمبر ملائیں۔"
اس نے نمبر بتاتے۔

انھوں نے نمبر ملا دیے — دوسری طرف سے ریسیور اٹھانے
پر اس نے کہا:
"انسپکٹر جمشید کے تمام ساتھیوں کو فوراً ایٹمی پلانٹ بھیج دو۔"
انھوں نے فون بند کر دیا —

"آخری بار انسپکٹر جمشید — پھر مہلت نہیں ملے گی — معاہدہ
کر لیں — چار گنا اسلحہ لے لیں — اور یہاں سے بحفاظت
اپنے ملک روانہ ہو جائیں۔"
"نہیں! یہ پلانٹ تباہ ہو گا۔"
"تو پھر میرا اعلان بھی سُن لیں — پلانٹ تباہ نہیں ہو
گا — اس لیے کہ ابھی جیرال زندہ ہے — یہ دیکھیں۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی جیرال بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو
گیا —

دیوار بن جاؤ

"ان سب کو مسٹر جیرال نے ایٹمی پلانٹ میں طلب کیا ہے۔"
فون سننے والے نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔
"کیا کہا — مسٹر جیرال نے ایٹمی پلانٹ میں طلب کیا ہے
نہیں۔" محمود چلّا اُٹھا۔
"ہاں! کیوں — کیا بات ہے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔
"کک — کچھ نہیں۔" محمود گھبرا کر بولا۔
یہ جملہ سُن کر ان کے رنگ اڑ گئے تھے — اگر جیرال انھیں
وہاں بلا رہا تھا — تو اس کا مطلب یہ تھا کہ صورتِ حال
ان کے کنٹرول میں تھی — گویا ان کا سارا پروگرام اَپ سیٹ
ہو چکا تھا — ان کے رنگ زرد پڑ گئے — جسموں سے جیسے
جان نکل گئی —
انھیں ایک بند گاڑی میں ڈال کر ایٹمی پلانٹ کی چہار
دیواری تک لایا گیا — اس جگہ انھیں اتارا گیا — ابھی وہ اندر

کا رُخ کر رہے تھے کہ ایک آواز اُبھری:

"ٹھہرو بھئی — میں بھی ساتھ چلوں گا۔"

وہ چونک کر مڑے — ان کے پیچھے انسپکٹر کامران مرزا کھڑے مسکرا رہے تھے:

"آپ —" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! میں۔" انھوں نے کہا۔

"یہ کون ہیں؟ ہم صرف آپ لوگوں کو اندر لے جا سکتے ہیں۔" ایک پہرے دار نے کہا۔

"یہ ہمارے ساتھی ہیں — ہم سے بچھڑ گئے تھے۔"

"ان کے لیے اندر سے اجازت لینا پڑے گی۔"

"اس میں وقت ضائع ہوگا محمود — تم لوگ اندر جاؤ اور اندر جا کر میرے لیے باہر فون کروا دو۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

چنانچہ انھیں اندر لایا گیا — پروفیسر کے کمرے تک پہنچا کر ملازم نے کہا:

"دستک دے کر اندر چلے جائیں۔"

"شکریہ۔" محمود نے کہا اور دروازے پر دستک دی — ملازم واپس مُڑ گیا — ادھر اندر سے کوئی جواب نہ پایا — محمود نے پھر دستک دی — اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

"حیرت ہے — اندر سے تو کوئی جواب ہی نہیں مل رہا — آصف ذرا ان صاحب کو واپس بلا کر لانا۔"

"اچھا۔" آصف نے جانے کے لیے رُخ بدلا ہی تھا کہ فرزانہ بول اٹھی:

"نہیں — اسے جانے دو۔"

"کیوں — کیا ہم اس کے ذریعے دروازہ نہ کھلوائیں؟"

"نہیں — نہ جانے اندر کیا صورتِ حال ہے — اور پھر دروازہ اندر سے بند ہے — ہم نہیں کھلوا سکتے تو وہ کس طرح کھلوا دے گا — لیکن اسے بلا کر لانے سے باہر یہ خبر پھیل جائے گی کہ اندر کوئی گڑبڑ ہے۔"

"ادھر انکل کامران مرزا باہر اٹک گئے ہیں — اندر سے باہر پیغام جائے گا تو وہ اندر آ سکیں گے۔"

"جب تک ہمیں اندر کی صورتِ حال معلوم نہیں ہو جاتی، اس وقت تک ہم کچھ نہیں کر سکتے — فرزانہ تمھارے کانوں کو کیا ہو گیا ہے۔" آصف نے جل کر کہا۔

"اوہ ہاں واقعی۔" فرزانہ نے کہا اور اپنا کان دروازے سے لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگی — آخر اس نے کہا:

"میرا خیال ہے — اندر ہولناک قسم کی جنگ ہو رہی ہے — کمرہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہے۔"

"اوہ ارے باپ رے۔" آفتاب بوکھلا کر بولا۔

"تب تو پھر ہمیں کمرے کا دروازہ کسی طرح کھلوانا چاہیے" شوکی نے فوراً کہا۔

"نہیں۔ ایسا کرنا بھی ہمارے حق میں غلط ہو سکتا ہے۔ جب تک صورتِ حال معلوم نہ ہو۔۔۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"ہوں خیر۔۔۔ ابھی انتظار کر لیتے ہیں۔"

وہ انتظار کرتے رہے۔ مارے بے چینی اور پریشانی کے ان کا بُرا حال ہو گیا۔۔۔ آخر آدھ گھنٹے بعد دروازہ کھلا۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی:

"میں نے جیرال کا کافی وقت ضائع کر دیا ہے۔ اب تم صرف آدھ گھنٹا ضائع کر دو، تاکہ پروفیسر صاحب اپنا کام پورا کر ڈالیں۔"

اندر کا منظر دیکھ کر وہ سکتے میں آ گئے۔ جیرال اور انسپکٹر جمشید دونوں لہو لہان ہو رہے تھے؛ تاہم انسپکٹر جمشید فرش پر گر چکے تھے، جب کہ جیرال دروازے سے باہر قدم رکھ چکا تھا۔

"آپ باہر فون کر دیں ابا جان۔ کہ باہر موجود انسپکٹر کامران مرزا کو اندر بھیج دیا جائے۔"

"کیا مطلب۔ کیا وہ بھی دروازے پر موجود ہیں؟" جیرال

نے چونک کر کہا۔

"ہاں" ان کے منہ سے نکلا۔

"اگر انسپکٹر کامران مرزا آ گئے تو پھر میں گیا کام سے۔ چھوٹی پارٹی سے تو میں نپٹ لوں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ فون کی طرف مڑا اور ایک جھٹکے سے تار توڑ دیا، پھر ان کی طرف پلٹ پڑا۔۔۔ اور ان پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے وہ بھوکا بھیڑیا ہو۔۔۔ وہ بُری طرح بوکھلا گئے۔۔۔ اب برآمدے میں ایک ہولناک لڑائی ہونے لگی۔۔۔ ادھر انسپکٹر جمشید بے دم پڑے تھے۔۔۔ تاہم انھوں نے اپنا منہ دروازے کی طرف کر رکھا تھا اور اس لڑائی کو دیکھ رہے تھے۔۔۔ ایسے میں انھوں نے کہا:

"چاہے جان چلی جائے۔۔۔ جیرال کو یہ برآمدہ عبور نہ کرنے دینا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔۔۔ ہم تو چمٹ جائیں انھیں جونکوں کی طرح" آفتاب بولا۔

"جیرال جونکوں کو اپنے جسم سے اتار پھینکنا جانتا ہے۔" اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کاش! ہم انسپکٹر کامران مرزا کو اندر بلا سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔۔۔ پھر کوئی خیال آنے پر مسکرائے۔۔۔ پورا

جسم خون آلود تھا ۔۔۔ لہٰذا ان کی یہ مسکراہٹ بھی خون آلود
تھی ۔۔۔ اپنے ہاتھ اپنی کمر کی طرف رکھ کر انھوں نے
جلدی جلدی فون کے تار جوڑے ۔۔۔ پھر پلٹ کر فون کی
طرف رینگنے لگے ۔۔۔ آخر اس تک پہنچ گئے اور لگے نمبر ڈائل
کرنے ۔۔۔ نمبر ڈائل ہونے کی آواز جیرال کے کانوں تک پہنچ
گئی ۔۔۔ وہ فوراً بولا:

"اوہ ۔۔۔ تو انسپکٹر جمشید آپ نے تار جوڑ لیے۔"

"اب میں اور کیا کرتا ۔۔۔ لیٹے لیٹے یہ کام تو کر ہی سکتا تھا۔"

"اور یہ میری غلطی تھی ۔۔۔ میں نے کیوں آپ کو ایک ہاتھ اور رسید نہیں کر دیا، لیکن اب بھی کیا بگڑا ہے۔"

یہ کہہ کر جیرال نے انھیں جُل دے کر اندر کی طرف
چھلانگ لگا دی، لیکن منہ کے بل گرا، کیونکہ اسی وقت محمود
نے اس کی ٹانگ پکڑ لی تھی ۔۔۔

"اسے ہم لوگ سرکاری ٹانگ کہتے ہیں مسٹر جیرال۔" اس نے
شوخ آواز میں کہا۔

"غضب کی تھی ۔۔۔ مان گیا بھئی۔" وہ ہنسا۔

ساتھ ہی محمود کے منہ پر ایک زبردست مکا لگا ۔۔۔ اس
کا منہ ٹیڑھا ہو گیا اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا ۔۔۔ اب پھر
وہ اندر کی طرف لپکا، لیکن آصف نے اس کے دونوں پاؤں

ب دم پکڑ لیے ۔۔۔ اس بار وہ ہوشیار تھا ۔۔۔ لہٰذا آصف کے
بے پر اس کے پاؤں لگے اور وہ الٹ گیا ۔۔۔ ایسے میں خان
ہمان اسے کمر سے پکڑ چکے تھے ۔۔۔ انھوں نے پورا زور لگا
تھا ۔۔۔ جیرال اپنے پیروں پر گھوما اور ایک جھٹکا جو دیا تو
ن رحمان دیوار سے جا ٹکرائے ۔۔۔ اور ساکت ہو گئے ۔۔۔

اس وقت تک محمود، آصف اور خان رحمان بے کار ہو چکے
ے ۔۔۔ جیرال کا جسم اگرچہ انسپکٹر جمشید سے مقابلہ کرنے کے نتیجے
یں لہولہان تھا، لیکن اس میں وہی دم خم تھا، یوں لگتا تھا
یسے اس قدر خون بہ جانے پر بھی اس کی طاقت میں کوئی کمی
آئی ہو ۔۔۔

جونہی خان رحمان گرے ۔۔۔ فاروق اور آفتاب نے ایک ساتھ
جرال پر چھلانگ لگائی ۔۔۔ فاروق اس کی گردن سے لٹک گیا ۔۔۔
ب کہ آفتاب اس کے دائیں بازو کو پکڑ کر جھول گیا ۔۔۔
جرال یہ دیکھ کر ہنسا ۔۔۔ اس نے کہا:

مجھے ایسا لگ رہا ہے ۔۔۔ جیسے چند کھلونوں نے مجھے پکڑ
کھا ہو ۔۔۔ ایک انسان جس طرح کسی کیڑے مکوڑے کو اپنے
تے جھٹک سکتا ہے، اسی طرح میں تم لوگوں کو جھٹک
وں۔"

ہ کہہ کر اس نے جھٹکا دیا ۔۔۔ فاروق اور آفتاب لڑھکنیاں کھاتے

دور چلے گئے — ساتھ ہی ان کے منہ سے چیخیں بھی نکل گئیں۔
"آج تو جیرال انکل غضب ڈھا رہے ہیں — بھتیجوں کو خاطر میں نہیں لا رہے۔" ایسے میں مکھن کی آواز ابھری۔
"ان کی جان پر جو بنی ہے — بے چارے کو اپنا ایمپائر تباہ ہوتا نظر آ رہا ہے۔" شوکی مسکرایا۔
جیرال اب جو دروازے کی طرف مڑا تو فرحت، رفعت اور فرزانہ اس کے سامنے کھڑی تھیں — جیرال انھیں دیکھ کر ہنسا:
"دیکھنے میں ہم بالکل کمزور ہیں — انکل خیرال — اوہ سوری انکل جیرال — کیا نام ہے آپ کا بھلا؟"
"جیرال۔" اس نے جھنا کر کہا۔
"ہاں تو مسٹر جیرال — ہم دیکھنے میں تو کمزور ہیں، دبلی پتلی ہیں، لیکن لڑائی جھگڑائی میں ہم بہت تیز ہیں۔ ویسے تو آپ کو کچھ بتانا فضول ہے — کیونکہ آپ ہمارے بارے میں پہلے سے سب کچھ جانتے ہیں۔"
"ہاں جانتا ہوں — تم ہاتھوں اور پیروں کی نسبت عقل سے لڑتی ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ عقل میرے پاس بھی ہے۔" وہ بولا۔
"تو آپ اسے گھاس چرنے کے لیے بھیج دیں نا۔"
"یہاں گھاس کہاں — چھوڑو — میرا وقت ضائع کرنے

کی چالاکی نہ کرو — میرے پاس وقت پہلے ہی بہت کم ہے — جو کرنا ہے کر گزرو — تاکہ تم پھر یہ نہ کہہ سکو کہ میں نے تمھیں مہلت نہ دی۔"
"اچھی بات ہے — یونہی سہی۔"
یہ کہہ کر تینوں نے تین مختلف سمتوں سے اس پر حملہ کیا — اس طرح جیرال کو بیک وقت تین سمتوں میں توجہ دینا پڑی — فرزانہ اپنی عادت کے مطابق تیر کی طرح اس کے بالوں کی طرف آئی — اور بال پکڑ کر جھول گئی — بال کافی لمبے تھے — اس نے اپنی انگلیاں ان میں جما دیں —
"ارے ارے! یہ کیا کر رہی ہو؟" جیرال ہنسا۔
"ائیں — آپ ہنس رہے ہیں — یہ ہنسنے کا کون سا موقع ہے۔" اس نے کہا۔
"ہنس اس لیے رہا ہوں کہ میرے یہ بال مصنوعی ہیں — لہٰذا مجھے ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہو گی۔"
"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلّائے۔
جیرال کے ان الفاظ کے ساتھ ہی فرزانہ اپنا ہاتھ اس کی گردن کے گرد لے آئی — ادھر فرحت اس کی ایک ٹانگ اور رفعت ایک بازو مضبوطی سے پکڑ چکی تھی —

"انکل! اب ذرا کوئی حرکت کر کے دکھائیں۔"

"ایک منٹ۔" ایسے میں شوکی چلا اٹھا۔

"تمھیں کیا ہوا بھئی۔" جیرال نے حیران ہو کر کہا۔

"ہمارے ذہن میں ایک بات آئی ہے — ہم بھی ان تینوں کا ہاتھ کیوں نہ بٹائیں۔"

"ضرور ضرور — مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ یہ بہتر رہے گا — میں ایک ہی بار فارغ ہو جاؤں گا — تم چاروں بھی آ جاؤ۔"

شوکی برادرز آگے بڑھے — دوسری ٹانگ شوکی نے، دوسرا بازو مکھن نے، اخلاق نے پیٹ کے گرد ہاتھ ڈال دیے اب صرف اشفاق رہ گیا:

"مم — میں کیا کروں — پکڑنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"دونوں ٹانگوں کے گرد لپٹ جاؤ۔" شوکی بولا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

اشفاق نے اس کی دونوں ٹانگیں قدرے اوپر سے پکڑ لیں، کیونکہ وہ لمبا تو تھا ہی —

"بس — کوئی رہ تو نہیں گیا؟"

"نہیں — اب آپ اپنی کوشش کریں۔"

"خوب کس کر پکڑ لو۔" جیرال نے کہا۔

"خوب کس کر پکڑ چکے ہیں — اس سے زیادہ خوب کس کر نہیں پکڑ سکتے۔"

"اے یہ لو۔"

یہ کہہ کر اس نے صرف ایک جھرجھری لی — انھیں یوں لگا جیسے وہ چکنی مچھلی کی طرح ان کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہو — اور پھر انھیں ایک زبردست جھٹکا لگا — جھرجھری نے ان کی گرفت پہلے ہی کمزور کر دی تھی — جھٹکے نے پوری کسر نکال دی — وہ اچھل کر دور جا گرے — عین اسی وقت ایک آواز ابھری:

"ارے! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

انھوں نے گرتے پڑتے بھی مڑ کر دیکھا — انسپکٹر کامران مرزا ایک آدمی کے ساتھ چلے آ رہے تھے — جیرال بھی انھیں دیکھ کر بری طرح چونکا:

"بہت ہی اچھے وقت پر آئے انکل — جیرال کو دیکھیں — ہم اپنے حصے کا کام کر چکے۔"

"اُف مالک! یہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

اندرونی دروازے سے انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ آنے والا بھونچکا رہ گیا — اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا کا ایک ہاتھ

اس کے سر پر پوری قوت سے لگا — وہ تیورا کر گرا اور
ساکت ہو گیا — ادھر جیرال نے ان کے پاس سے نکل
جانے کے لیے ایک اونچی چھلانگ لگائی — انسپکٹر کامران مرزا
نے بھی ایک اونچی چھلانگ لگا دی — دونوں کے جسم ٹکرائے
اور نیچے آ رہے —

"بہت خوب انکل — اب یہ حضرت یہاں سے آگے نہ
سرکنے پائیں۔" آصف چہکا۔

"جمشید کہاں ہیں؟"

"وہ بھی اپنے حصے کا کام کر چکے ہیں — بس آپ کے حصے
کا کام رہتا ہے۔"

"لیکن انھوں نے ہی تو فون پر ہدایات دی تھیں کہ مجھے ان
بھیج دیا جائے۔"

ان سب نے چونک کر اندر کی طرف دیکھا، لیکن انسپکٹر
کامران مرزا کی نظریں جیرال پر جمی رہیں — اس نے پھر
چھلانگ لگائی — اس بار ساتھ ہی انسپکٹر کامران بھی اچھلے
تھے — دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے — اور انسپکٹر کامران
اس سے چمٹ گئے:

"ہاں! اب تفصیل بتاؤ۔" وہ بولے۔

محمود جلدی جلدی تفصیل بتانے لگا، آخر میں محمود نے کہا

"اور اس حالت میں ابا جان نے کمر کے پیچھے ہاتھ کر کے
بار بار جوڑے اور دروازے کے فون کے نمبر ملائے تھے —
تب کہیں جا کر آپ کے آنے کا سامان بنا۔"

"بہت خوب! صورتِ حال اب یہ ہے کہ ہمیں مسٹر جیرال کو
بس روکنا ہے۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"لیکن تم سب مل کر بھی مجھے نہیں روک سکتے۔" جیرال غرایا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی جیرال نے زور جو لگایا تو وہ
انسپکٹر کامران مرزا کی گرفت سے نکل کر آگے بھاگا — لیکن منہ
کے بل گرا، کیونکہ محمود نے اپنی سرکاری ٹانگ آگے کر دی
تھی — یہ دیکھ کر فاروق مسکرایا:

"اسے ہم سرکاری ٹانگ کہتے ہیں۔"

ادھر اس کے گرتے ہی انسپکٹر کامران مرزا نے اس پر چھلانگ
لگائی، لیکن جیرال کروٹ لے گیا اور وہ فرش پر گرے —
جیرال فوراً پلٹا — ان کے سینے پر سوار ہو گیا اور اپنے دونوں
ہاتھ ان کی گردن پر جما دیے —

انسپکٹر کامران مرزا نے ایک دو ہتھڑ اس کی ٹھوڑی پر رسید
کیا، لیکن انھیں خود اپنے ہاتھ ٹوٹتے محسوس ہوئے —
اب انھوں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں سیدھی کیں اور

اس کی آنکھوں میں گھونپ دیں، لیکن ایک بار پھر انگ
سخت چیز سے ٹکرائیں۔ شاید آنکھوں پر کوئی خول تھا
نظر نہ آنے والا خول۔ جیرال ہنسا:

"کامران مرزا! تمہارے دونوں وار خالی گئے۔ میرا گر
گردن تو اب چھوٹے گی نہیں۔"

"کیا ہم مدد کو آئیں کامران مرزا؟" ایسے میں خان رحمان
کی آواز ابھری۔

"کیا آپ اس قابل ہو گئے ہیں انکل؟" شوکی نے حیران
ہو کر کہا۔

"بھئی اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔" خان رحمان اداس انداز
میں مسکرائے۔

"نہیں خان رحمان۔ البتہ تم لوگ اس کے راستے میں دیوار
بن کر کھڑے ہو جاؤ، تاکہ میرے بے کار ہونے کی
صورت میں بھی جیرال برآمدہ عبور نہ کر سکے۔"

"ان شاء اللہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

عین اس وقت انھوں نے انسپکٹر جمشید کو اٹھ کر باہر
آتے دیکھا۔

صبر کریں

"وہ مارا۔ ابا جان ایک بار پھر میدان میں آ گئے۔" فرزانہ
کی آواز گونجی۔

ادھر جیرال انسپکٹر کامران مرزا کی گردن پر برابر زور لگا
رہا تھا۔ ان کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ سانس بہت
مشکل سے لے رہے تھے۔ ایسے میں بھی وہ اپنی کوشش
میں مصروف تھے۔ اور آخر وہ اپنے دونوں پیر اس کی
گردن تک لے آئے۔ دوسرے ہی لمحے اس کی گردن
ان کے دونوں پیروں کی گرفت میں تھی۔ انھوں نے
زور لگانا شروع کیا۔ جیرال کا جسم ان کے سینے پر
سے اٹھنے لگا۔ وہ اس منظر کو حیرت بھری آنکھوں
سے دیکھ رہے تھے۔ ابھی جیرال کے ہاتھ گردن پر
تھے، لیکن کب تک۔ جب جسم اوپر اٹھنے سے نہ رک
سکا تو ہاتھ کب تک گردن پر جمے رہتے۔ لہٰذا ہاتھ بھی

اٹھنے لگے۔ جیرال نے بہت زور لگایا، لیکن انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید کا یہ انداز بہت خاص تھا۔ دونوں پیروں میں جب گردن پکڑ کر اٹھاتے تھے تو پھر دشمن کسی طرح ان کے جسم سے چھٹا نہیں رہ سکتا تھا۔ آخر اس کے ہاتھ گردن سے الگ ہو گئے۔ انھوں نے کمرے کے رُخ جیرال کو ایک جھٹکا مارا۔ وہ گویا ہوا میں اڑتا ہوا کمرے میں جا کر گرا۔ انسپکٹر جمشید ابھی دروازے پر ہی تھے۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دروازہ بند کر دیا۔ اور باہر سے دروازہ لاک کر دیا:

"واہ! یہ عجیب ہوئی۔"

"لیکن یہ بہت اچھا ہوا۔ اب اس ملازم کو یہاں سے ہٹا دینا چاہیے۔ اور ہمیں بھی ساتھ والے کمرے میں بیٹھ جانا چاہیے۔ تاکہ باہر سے کوئی آ جائے تو کسی کو کوئی اندازہ نہ ہو سکے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے، پروفیسر صاحب جلد فارغ ہو جائیں گے۔"

زخمی آدمی کو اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں لے آیا گیا۔ یہ کمرہ یوں تو آلات سے بھرا پڑا تھا، لیکن اس میں تھا کوئی نہیں۔ وہ دروازہ تھوڑا سا کھول کر بیٹھ گئے:

"جیرال بھی کیا۔ ارے۔ غضب خدا کا۔ غلطی ہو گئی۔"

انسپکٹر جمشید چلائے۔

"تک۔ کیا مطلب؟"

"ہم نے جیرال کو بند کر دیا۔ اور اس نے اندر بند ہوتے ہی فون کر دیا ہو گا۔ باہر موجود نگرانوں کو خبر کر دی ہو گی اب تک۔"

"حد ہو گئی۔ اس بات کا کسی کو خیال تک نہیں رہا۔ کس قدر ہولناک غلطی ہوئی ہے۔"

"لیکن اب تو ہو گئی۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟"

عین اس لمحے پورا پلانٹ بھاری قدموں کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ سیکڑوں رائفلوں والے برآمدے میں نظر آنے لگے۔ اور انھیں ہاتھ اٹھانا پڑے۔

"دروازہ کھول دو۔ مسٹر جیرال کو باہر نکال لو۔" ایک ملٹری آفیسر نے کہا۔

دروازہ کھول گیا۔ جیرال فوراً باہر نکلا اور دوڑ لگا دی، ساتھ ہی وہ چلا اٹھا:

"ان لوگوں کو قابو میں کر لیا جائے۔ میں ان کے ساتھی پروفیسر داؤد کو پکڑ کر لاتا ہوں۔ اس وقت تک وہ ایٹمی پلانٹ اڑانے کے لیے نہ جانے کیا کچھ کر چکا ہو گا۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے۔ ان کے رنگ دودھ

کی طرح سفید ہو گئے۔

جیرال پاگلوں کی طرح بھاگا چلا گیا۔ وہ سیدھا پلانٹ کے مرکز کی طرف گیا۔ وہاں آخر ایک ہال میں اسے پروفیسر داؤد اور اس کا ساتھی نظر آ گئے۔

"بس پروفیسر صاحب۔ اب ہاتھ روک لو۔ اور جہاں جہاں گڑبڑ کی ہے۔ اس گڑبڑ کو دور کر دو۔" جیرال کی گرج دار آواز نے ان دونوں کو اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا، لیکن پھر وہ دونوں بالکل پُرسکون ہو گئے۔ پروفیسر داؤد بولے:

"میں اپنا کام قریب قریب مکمل کر چکا ہوں۔ اسلحے کے گودام میں لگائی جانے والی آگ کا آج میں نے انتقام لے لیا۔ اب اس پلانٹ کو تباہ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اور مسٹر جیرال۔ اب تم ہمیں بحفاظت ہمارے ملک تک پہنچانے کے بھی ذمے دار ہو۔"

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ پلانٹ ابھی صحیح سلامت ہے۔ اور پروفیسر تم جلد از جلد اس کو تباہ ہونے سے روکو۔ ورنہ میں تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

"ضرور اڑا دو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تو تم۔ نہیں مانو گے؟"

"نہیں۔ تم گولی چلاؤ۔"

جیرال کا سر گھوم گیا۔ اسے اس لمحے اپنی شکست صاف نظر آئی۔ وہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا پر بھاری رہا تھا، لیکن اس بوڑھے انسان کے سامنے اس نے خود کو شکست زدہ محسوس کیا۔

"پروفیسر۔ میں جو کہہ رہا ہوں کر گزرو۔ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔" اب وہ منت کرنے پر اتر آیا۔

"کیا فائدہ ہے۔ پہلے یہ بات واضح کرو؟"

"کیا ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ ہم یہ باتیں کر سکیں؟"

"نہیں۔ آگ بھڑکنے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ آگ خود بخود بھڑکے گی۔"

"اُف۔ نہیں۔ پروفیسر بات مان لو۔"

"انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا سے بات کر لیں۔ اگر وہ کہہ دیں گے تو میں پلانٹ کو تباہ ہونے سے بچا سکوں گا۔" داؤد بولے۔

"ٹھیک ہے۔ آئیے۔" جیرال نے کہا اور واپس دوڑ لگا دی۔ دونوں اس کے پیچھے چلے اور اس برامدے میں آ گئے۔ وہاں حالات جوں کے توں تھے۔

"پروفیسر اپنا کام پورا کر چکے ہیں۔" جیرال نے بوکھلا کر کہا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔"

"لیکن آپ لوگ ان سے کہ دیں — یہ پلانٹ کو تباہ ہونے سے بچا لیں۔"

"اور ہم ایسا کیوں کہ دیں — جب کہ یہ ہماری عین خواہش ہے۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں جیاں، میری بات

"نہیں — ہرگز نہیں۔

"تب ہم تم لوگوں کو یہاں بند کر جائیں گے — تاکہ تم لوگ بھی جل کر راکھ ہو جاؤ۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔

"مسٹر جیرال نے وعدہ کیا تھا — اگر ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو یہ ہمیں بحفاظت ہمارے ملک تک جانے دیں گے — کیا جیرال اپنے وعدے سے پھر جائیں گے۔"

"جی نہیں — جیرال اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا۔"

"تو پھر فوراً پلانٹ سے نکل چلیں — اعلان کرا دیں — پلانٹ میں کام کرنے والے باہر کی طرف دوڑ لگا دیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ آپ کہ رہے ہیں — جب کہ ان لوگوں نے ہمارے اسلحے کے ڈپو میں کام کرنے والے زندہ جلا ڈالے۔"

"یہ لوگ انسانی جانوں کی قیمت نہیں جانتے، لیکن ہم بلاوجہ

خون بہانا پسند نہیں کرتے — ہم میں اور ان میں یہ فرق تو ہے — لہٰذا انھیں اعلان کرنے دیں — اور مسٹر جیرال — اب وقت بہت کم ہے — کہیں ہم سب بھی بھسم نہ ہو جائیں — جلدی کریں۔"

اور پھر وہاں بھگدڑ مچ گئی — ملٹری مین بھی انھیں بھول کر باہر کی طرف دوڑنے لگے — سب کو اپنی اپنی پڑی تھی — پھر سپیکر پر اعلان کیا جانے لگا — کہ پلانٹ خالی کر دیا جائے — آگ بھڑکنے والی ہے۔

تمام لوگ دوڑتے چلے گئے —

"ہم اب جیرال کے ذریعے بحفاظت جانے کی کوشش نہیں کریں گے — ایک بے آباد ساحل پر ہمارے لیے ایک لانچ تیار ہے — وہ ہمیں ایک جزیرے تک پہنچاتے گی، جزیرے سے ہم ایک بحری جہاز پر سوار ہوں گے اور اس طرح اپنے ملک پہنچ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن ہم ساحل تک کس طرح پہنچیں گے؟"

"یہاں بھی آپ کے لیے گاڑی تیار ملے گی — فکر نہ کریں۔" خفیہ فورس کے نمبر ا نے کہا۔

اور پھر وہ گاڑی میں روانہ ہو گئے، لیکن جلد ہی ان کی

گاڑی کو گھیر لیا گیا اور گرفتار کر کے ایک بڑے ہال میں
لایا گیا:

"ایٹمی پلانٹ میں آگ بھڑک چکی ہے۔ ہمارے ماہرین
آگ پر قابو پانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں، لیکن ابھی
تک انھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ اگر چاہیں تو اس آگ
پر قابو پایا جا سکتا ہے۔"

"جی نہیں! اب میرے کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔"
پروفیسر داؤد بولے۔

اس وقت ان سے بات ایک ملٹری آفیسر کر رہا تھا، پھر
قدموں کی آواز گونجی۔ انھوں نے دیکھا۔ جیرال چلا آ رہا تھا،
اس کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔

"مسٹر جیرال! آپ نے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر ہم کامیاب ہو
گئے تو آپ ہمیں بحفاظت جانے دیں گے۔"

"ہاں! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ اور میں وعدہ پورا کروں
گا، لیکن اس سے پہلے میں ایک کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی
کچھ نقصان نہیں ہوا۔ اگر پروفیسر صاحب آگ بجھا دیں تو بہت
کچھ بچ جائے گا۔"

"جی نہیں۔ آپ اپنے ماہرین سے کام لیں۔ جیسے ہم نے
اپنے مجاہدوں سے کام لیا تھا۔"

"ہمارے پاس وہ مجاہد نہیں ہیں۔ جو آگ میں کود جائیں۔"

"واقعی۔ جنرل مشرف جیسے لوگ آپ کے پاس کہاں۔"

"اگر ہمارے پاس ایسے لوگ نہیں ہیں تو ویسے بھی نہیں، جیسے
آپ کے ملک میں ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو آپ کو اپنے وطن پہنچ کر معلوم ہوگا۔ دراصل
نئے منصوبے میں حد درجے مصروف رہنے کی وجہ سے آپ
لوگ بہت دنوں سے کوئی اخبار نہیں پڑھ سکے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ کیا ہمارے ملک میں کوئی بڑی
تبدیلی آ چکی ہے؟"

"ہاں! لیکن اس تبدیلی کی خبریں آپ بعد میں حاصل کرتے
رہیں گے۔ مجھ سے تو آگ کی بات کریں۔"

"جو آگ ہم لگانے آئے تھے۔ لگانے کے بعد خود اس
کو کس طرح بجھا سکتے ہیں۔"

"جیسے تم لوگوں کی مرضی۔ ان لوگوں کو ان کے ملک
جانے والی پرواز میں سوار کرا دیا جائے۔" جیرال نے
ملٹری آفیسر کو ہدایت دی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سر۔ یہ ہمارے مجرم ہیں۔"

"لیکن میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں۔"

"میرے خیال میں آپ ایسا وعدہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔"

"کیا کہتے ہیں — میں کُھلے اختیارات رکھتا ہوں۔"

"جی نہیں — ہم ان لوگوں کو نہیں جانے دیں گے۔"

اچانک جیرال حرکت میں آیا — اور ملٹری آفیسر کی گردن اس کی گرفت میں نظر آئی —

"چلو ہدایت دو — اور جب تک یہ لوگ جہاز پر پرواز نہیں کر جاتے — میں تمھاری گردن نہیں چھوڑوں گا۔"

"آپ اس کا انجام جانتے ہیں۔"

"مجھے پروا نہیں — لیکن میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ اس لیے کہ جیرال اپنے اُصول کا بہت پکا ہے۔"

"اچھی بات ہے — ان لوگوں کو ایرپورٹ پر پہنچا آؤ — اور جہاز میں بٹھا کر آنا۔"

"آپ جہاز سے مجھے فون کریں گے — جب جہاز پرواز کر جائے اس وقت فون کریں — میرا یہاں کا نمبر نوٹ کر لیں۔"

"مان گئے مسٹر جیرال — آپ کو اور آپ کی اصول پسندی کو۔"

"لیکن یہ ان کی آخری اصول پسندی ہو گی — آپ لوگوں کے جانے کے بعد انھیں جیل میں ڈالا جائے گا۔"

"پروا نہیں۔" جیرال بولا۔

اور پھر انھوں نے جیرال کی طرف الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا — یہاں تک کہ ان کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی، تھوڑی دیر بعد وہ جہاز میں اڑے جا رہے تھے اور جیرال کو یہ اطلاع دے چکے تھے کہ وہ پرواز کر چکے ہیں — نیچے کہیں ایک طرف آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر آ رہے تھے — ایسے میں پروفیسر داؤد بولے:

"ابھی تو یہ آگ اور بلند ہو گی — انشارجہ کے لیے ایک مسئلہ بنے گی۔"

"اور انشارجہ کی حکومت جیرال کے لیے مسئلہ بنے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ارے ہاں! ہم جہاز میں تو اخبارات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔" ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے چونک کر کہا۔

انھوں نے ائرہوسٹس کے ذریعے اخبار منگوائے اور ان کا مطالعہ شروع کر دیا — اب انھیں معلوم ہوا — ان کے مُلک میں حکومت تبدیل ہو چکی تھی — صدر کو فوج نے معزول کر دیا تھا اور ایک اور آدمی کو صدر بنا دیا گیا تھا — وہ دھک سے رہ گئے — اس قدر جلد اس قدر بڑی تبدیلی کیسے آ گئی تھی — یہ بات حیران کُن تھی —

آخر وہ اپنے ملک کے ایرپورٹ پر اُترے — انھوں نے

جہاز سے ہی فون کر دیے تھے — لہٰذا بیگم جمشید، بیگم کامران مرزا — خان رحمان اور پروفیسر داؤد وغیرہ کے بچّے ایرپورٹ پر موجود تھے — اور کوئی استقبال کرنے نہیں آیا تھا — مطلب یہ کہ حکومت کا کوئی آدمی نہیں آیا تھا — البتّہ اکرام ضرور موجود تھا — ان سب کے علاوہ ایک طرف ایک اور شخص موجود تھا — اور وہ تھا ٹی ایس ایم — پھر سب لوگ ایک دم اس کی طرف بڑھے — ٹی ایس ایم سے مصافحہ کرتے ہوئے انسپکٹر جمشید بولے:

"آپ سے فرصت میں باتیں ہوں گی۔"

"آپ لوگوں کو اس قدر بڑی کامیابی مبارک ہو۔" اکرام نے اداس انداز میں کہا۔

"لیکن تم لوگوں کے چہروں پر خوشی کیوں نہیں ہے؟"

"حکومت تبدیل ہو گئی ہے اور نئی حکومت نے آپ کے اس منصوبے کو ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھا — اسی لیے حکومت کی سطح پر کوئی استقبال کرنے نہیں آیا — یہی نہیں — ایک اور بھی بُری بات ہوئی ہے۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"اور وُہ کیا؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"نئی حکومت نے سب سے پہلا کام یہ کیا ہے کہ جنرل مشرف صاحب کو ریٹائر کر دیا ہے۔"

"کیا!!!"

وہ ایک ساتھ چلّائے — ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"پھر یہ نئی حکومت انشارجہ کی سازش سے آئی ہے۔"

"غضب کی بات ایک اور ہے۔"

"اور وُہ کیا؟"

"موجودہ کمانڈر انچیف کے ریٹائر ہونے کے بعد جنرل جاوید اشرف کمانڈر انچیف بننے والے تھے — اور انھوں نے ایک ایسا کارنامہ سر انجام دیا تھا کہ انشارجہ کے منصوبے پر پانی پھر گیا تھا — لہٰذا انھوں نے سوچا — اگر یہ شخص کمانڈر بن گیا — اور کبھی مارشل لاء لگا بیٹھا تو انشارجہ کی تو ایسی کی تیسی کر کے رکھ دے گا — ہے بھی مذہبی آدمی — لہٰذا سب سے پہلے انھیں ریٹائر کیا گیا۔"

"یہ بہت بُرا ہوا — بہت سے بھی زیادہ بُرا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اداس انداز میں کہا۔

عین اسی وقت انھیں ملٹری نے اپنے گھیرے میں لے لیا:

"کیا بات ہے جناب؟"

"آپ کو یہاں سے سیدھے ایوانِ صدر جانا ہے — نئے صدر آپ سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو اس کے لیے ہمیں گھیرے میں لینے کی کیا ضرورت ہے
ہم اسی طرح چلتے ہیں — کیا ہم مجرم ہیں کہ ہمیں حراست میں
لے کر وہاں پہنچایا جائے۔"

"یہی حکم ملا ہے کہ گرفتار کر لیا جائے۔"

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"صبر کریں پروفیسر صاحب — اس سے زیادہ عظیم زیادتی کیا
ہو گی کہ دشمن ملک سے تو ہمیں باعزت طور پر بھیج دیا جائے
اور اپنے ملک میں ہمیں گرفتار کر لیا جائے — جب کہ ہم
سابقہ صدر کی ہدایات کے عین مطابق گئے تھے — پھر بھلا ہم
مجرم کس طرح بنتے ہیں؟"

"اس طرح کہ انشارجہ میں آپ کو حکم بھیجا گیا تھا کہ ہر
حالت میں بھی آپ لوگ ہیں — فوراً وطن پہنچ جائیں — لیکن
آپ لوگ نہیں پہنچے۔"

"لیکن ہمیں یہ حکم نہیں ملا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ حکم تو اب بھی آپ کی جیب میں موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ اپنی جیب دیکھیں۔"

انھوں نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا — اس میں سے

ایک سرکاری کاغذ نکلا، جس پر لکھا تھا:

"انسپکٹر جمشید اور ان کے تمام ساتھیوں کو حکم دیا جاتا
ہے کہ انشارجہ کا مشن روک دیا جائے اور فوری طور
پر وطن واپس پہنچا جائے۔"

"یہ حکم میری جیب میں کیسے آیا — مجھے کچھ معلوم نہیں —
بہرحال مجھے کسی نے نہیں دیا۔"

"آپ کی بات پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔" ملٹری آفیسر
نے کہا۔

"آپ کی مرضی — نہ کریں اعتبار۔"

"یہ — یہ کیا ہو رہا ہے جمشید؟" پروفیسر داؤد بوکھلا اُٹھے۔

"فکر نہ کریں۔"

آخر انھیں نئے صدر کے سامنے پیش کیا گیا — انھوں نے گھور
کر ان سب کو دیکھا اور بولے:

"یہ آپ لوگ کرتے کیا پھر رہے ہیں — انشارجہ سے تعلقات
بڑھائے بغیر ہم کس طرح حکومت کر سکیں گے — آیندہ آپ
بلا اجازت ایسے کسی مشن پر نہیں جائیں گے۔"

"ہم سابقہ صدر کے حکم کے مطابق گئے تھے۔"

"وہ حکومت اب نہیں رہی — اب آپ کو ہماری ہدایات کے
مطابق کام کرنا ہوگا۔"

"بہت بہتر! کیا اب ہمیں اجازت ہے؟"

"ہاں ضرور۔۔ کیوں نہیں" صدر پہلی بار مسکرائے۔

وہ وہاں سے نکل آئے۔۔ اب ان کا رُخ جنرل [illegible] کے گھر کی طرف تھا۔۔ انھوں نے اداس انداز میں ان کا استقبال کیا:

"یہ سب کیسے ہوا سر؟"

"بس! یہ سب سیاسی چکر ہیں۔۔ اس چکر میں بڑے بڑے آ جاتے ہیں۔"

"لیکن یہ بہت ظلم ہوا ہے۔"

"ایسی باتیں نہیں کرتے۔۔ ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔۔ جو کام ہمارے ذمے لگایا گیا۔۔ وہ کرنا ہے۔۔ اب کوئی کام نہیں رہ گیا تو اپنے گھریلو کام کریں گے۔" وہ مسکرائے۔

ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔۔ قومی ہیروز کو اس طرح ایک طرف کر دیا جاتا ہے۔۔ یہ انھوں نے پہلی بار محسوس کیا۔

وہاں سے بوجھل دل کے ساتھ گھر پہنچے تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر فون کا بٹن دبایا۔

"جیرال بات کر رہا ہوں۔"

"جیل سے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں۔۔ ایوانِ صدر سے۔"

"کیا کہا؟" وہ چلا اُٹھے۔

"ہاں! ایوانِ صدر سے۔۔ اشارجہ کے صدر نے مجھ سے صلح کر لی۔۔ ورنہ جیل سے تو میں ویسے بھی فرار ہو جاتا اور پھر اشارجہ مجھ سے کوئی کام نہ لے سکتا۔۔ یہ بات محسوس کرتے ہی صدر نے صلح کر لی۔۔ اور اب نئے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے مجھے بلایا ہے۔"

"اوہ۔۔ کیسا منصوبہ۔۔ کیا مطلب؟"

"بھئی۔۔ یہ لوگ تو منصوبے بناتے ہی رہتے ہیں۔۔ اب نہ جانے کس اسلامی ملک کے خلاف مجھے بھیجا جانے والا ہے، میں نے سوچا، لگے ہاتھوں آپ کی خیریت معلوم کر لوں، آپ خیریت سے پہنچ گئے تھے نا؟"

"ہاں! بالکل۔"

"بہت جلد پھر ملاقات ہو گی۔"

"ہم انتظار کریں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"چلتے چلتے ایک بات اور۔۔ کاغذ کا وہ پرزہ میں نے لڑائی کے دوران آپ کی جیب میں ڈالا تھا۔۔ آپ کی نئی حکومت کا پروگرام آپ لوگوں کو جیل کی ہوا کھلانا تھا۔۔ لیکن پھر کسی نے انھیں بتایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو پورا ملک آپ کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہو گا، لہذا نئی حکومت رک گئی۔"

"اچھا ہی ہوتا۔ اگر ہمیں جیل میں ڈال دیا جاتا، کیونکہ اب
جو زندگی ہم گزاریں گے۔ وہ بالکل بے کیف ہو گی۔"
"تو پھر میرا مشورہ مانیں۔" جیرال نے رازدارانہ انداز میں کہا۔
"اور وہ کیا؟"
"نئی حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ اس سلسلے میں میری مدد کی
ضرورت ہو تو میں حاضر۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب۔ ہم اپنی حکومت کے
خلاف ایسے کام نہیں کرتے۔ یہ حکومت جیسی بھی ہے۔
ہماری اپنی ہے۔ ہم ملک کے مفاد میں کام کرتے ہیں۔
کرتے رہیں گے۔ حکومتیں تو آتی جاتی رہتی ہیں۔"
"بالکل ٹھیک انسپکٹر جمشید۔ ایک الجھن اور دور کر دیں۔
انشارجہ کے کونسل ہال میں آپ لوگ کس طرح داخل ہوئے؟"
"بھئی گٹر کے ذریعے آئے تھے اور گٹر کے ذریعے چلے گئے
تھے۔" انھوں نے کہا۔
"کیا!!!" وہ دھک سے رہ گیا۔
اسی وقت انھوں نے اپنے پیچھے کسی کی آواز سنی۔ مڑ کر
دیکھا تو آئی جی شیخ نثار احمد تھے۔
"اچھا انسپکٹر جمشید۔ پھر ملاقات ہو گی۔ بلکہ بہت جلد ہو
گی۔ کیونکہ انشارجہ کے صدر نے ابھی ابھی مجھے اشارہ کیا

کہ آئندہ منصوبہ بھی آپ لوگوں کے ملک کے خلاف ہے۔"
"کوئی بات نہیں۔ ہم استقبال کے لیے تیار ہیں۔" انسپکٹر
مسکرائے اور جیرال نے ہنس کر ریسیور رکھ دیا۔
"جمشید۔ تم دل چھوٹا نہ کرو۔ یہ حکومت ایک سازش کے
تحت آئی ہے۔ زیادہ دن نہیں چلے گی۔ سابقہ صدر سے
میری بات ہوئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اب وہ صدر بننے
کی خواہش نہیں رکھتے۔ نئی حکومت نے تین ماہ بعد انتخابات
کرانے کا وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا تین ماہ سے پہلے کوئی مخلص
آدمی تلاش کر لیں۔"
"تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے سر۔ آئندہ الیکشن میں
نمایاں کامیابیاں جنرل مشرف حاصل کریں گے ان شاء اللہ۔"
"کیا کہا۔ جنرل مشرف۔" وہ چونک کر بولے۔
"جی ہاں سر۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"
"بہت بہترین خیال ہے۔ ہم انھیں ضرور آمادہ کریں گے۔"
تین ماہ بعد جنرل مشرف ملک کے نئے صدر بن چکے
تھے۔ اور انھوں نے انسپکٹر جمشید اور ان کے تمام ساتھیوں
کے اعزاز میں ایک سادہ دعوت کا اعلان کیا تھا۔ اب
سب کے چہروں پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔ دعوت میں
سب لوگ انھیں مبارک باد دے رہے تھے۔ نئے صدر صاحب

کو بھی مبارک باد مل رہی تھی۔ دعوت کے آخر میں صدر نے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو سینے لگاتے ہوئے کہا:

"الشارجہ کے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے والا آپ کا کارنامہ ایک مدت تک یاد رکھا جائے گا۔ میں جانتا ہوں، وہ پھر کسی نئی سازش کے لیے دانت تیز کر رہا ہو گا۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ آپ لوگ اس کے دانت کھٹے کرنے کے لیے پہلے سے تیار ہوں گے۔"

"ان شاء اللہ۔"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔